بیاضِ میراجی

الحمد لائبریری

فیس بک گروپ کتابیں پڑھیے

مرتب:
ڈاکٹر محمد سعید

سید حسن احسن

Imagitor

نقوش ریسرچ سینٹر

Imagitor

جی سی یونیورسٹی لاہور

بیاضِ میراجی

الحمد لائبریری
فیس بک گروپ کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor

مرتب

ڈاکٹر محمد سعید

نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Imagitor

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب: بیاضِ میراجیؔ
مرتب: **ڈاکٹر محمد سعید**
ترتیب و تزئین: ڈاکٹر محمد نوید
مطبع: نقوش پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر: نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی، لاہور
پہلا ایڈیشن: ۲۰۱۷ء
قیمت: ۲۰۰/۰ روپے

رابطے کے لیے: ڈاکٹر محمد سعید
انچارج نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی، لاہور
muhammadsaeed@gcu.edu.pk
0300 4703176

الحمد لائبریری
فیس بک گروپ
کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor

نوٹ: یہ کتاب ادارہ نقوش لاہور کے مالی تعاون سے شائع کی جا رہی ہے۔

انتساب

ڈاکٹر وحید قریشی

اور

ڈاکٹر جمیل جالبی

کے

نام

جنھوں نے میرا جی کی طرف مجھے متوجہ کیا

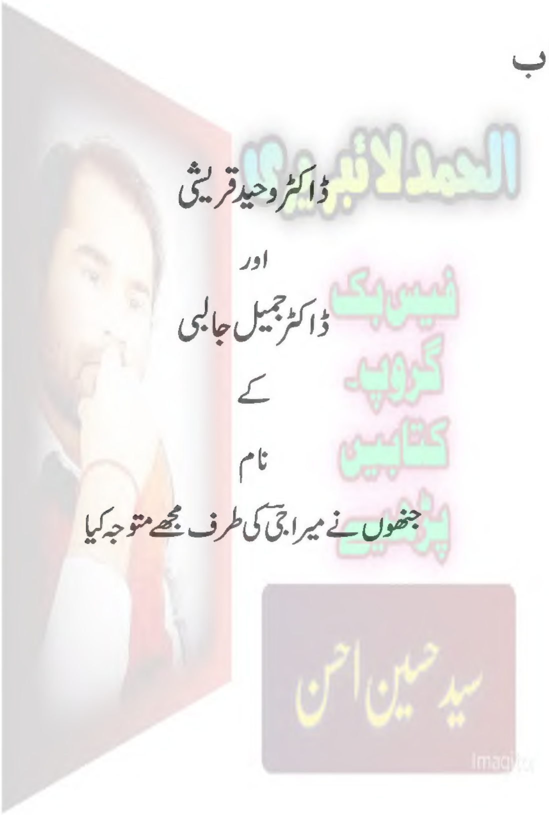

الحمد لائبریری
فیس بک گروپ۔ کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor
Imagitor

فہرست مندرجات

صفحہ نمبر

☆ حرفِ تحقیق ۹

☆ بیاضِ میراجی کی بازیافت ۱۳

☆ بیاضِ میراجی: تعارف اور اہمیت ۲۰

☆ بیاضِ میراجی: عکسی متن ۳۱

ا۔ سرورق ۱

ب۔ فہرست ۳

۱۔ پران دان کی پہیلی (۱۱۔۱۰۔۳۳) ۵

۲۔ تحریک (نامکمل نظم: صرف عنوان اور پہلا مصرع) ۸

۳۔ تماشہ (۳۴۔۔۔۔) ۹

۴۔ نارسائی (۳۱۔۳۔۳۴) ۱۰

۵۔ ایک مکالمہ (۱۹۔۸۔۳۴) ۱۱

۶۔ بہانۂ بسیار (۳۔۷۔۳۴) ۱۲

۷۔ احساس ناکامی (۱۸۔۱۰۔۳۴) ۱۴

۸۔ دعوت نامہ (۱۔۱۱۔۳۴) ۱۵

۹۔ خودنفسی (۱۰۔۱۱۔۳۴) ۱۶

۱۰۔ دونقشے (۱۔۱۲۔۳۴) ۱۸

۱۱۔ چنچل (۳۵۔۔۔۔) ۱۹

۱۲۔ نیرنگِ خیال (۲۔۱۔۳۵) ۲۰

۱۳۔ بِرہا (۵۔۱۔۳۵) ۲۲

الحمد لائبریری
فیس بک گروپ۔ کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor

۱۴۔ ایک گیت (۵۔۱۔۳۵) ۲۳
۱۵۔ بے تکلف عریانی، بے حجاب جنسیت (۲۲۔۱۔۳۵) ۲۴
۱۶۔ پہلی عورت (۲۵۔۱۔۳۵) ۲۵
۱۷۔ ممانعت (۲۵۔۱۔۳۵) ۲۷
۱۸۔ شجرِ ممنوعہ کی ترغیب (۲۷۔۱۔۳۵) ۲۸
۱۹۔ ایک گیت (۲۷۔۱۔۳۵) ۳۰
۲۰۔ ایک کلی اور اُس کے مالی (۲۹۔۱۔۳۵) ۳۱
۲۱۔ تحریک (۱۔۲۔۳۵) ۳۴
۲۲۔ خوابوں کا جھولا (۴۔۲۔۳۵) ۳۶
۲۳۔ اے چیتے! (۷۔۲۔۳۵) ۳۸
۲۴۔ جوانی کے گھاؤ (۲۵۔۲۔۳۵) ۴۰
۲۵۔ چیستان (۱۸۔۳۵) ۴۱
۲۶۔ اے ریاکارو! (۱۔۴۔۳۵) ۴۲
۲۷۔ تاثر (۲۹۔۴۔۳۵) ۴۳
۲۸۔ مدھوری بانی (۱۹۔۵۔۳۵) ۴۴
۲۹۔ ایک شکاری ایک شکار (۵۔۶۔۳۵) ۴۵
۳۰۔ اکیلی رات کی واردات (۱۱۔۶۔۳۵) ۴۶
۳۱۔ اُفتاد (۱۵۔۶۔۳۵) ۴۷
۳۲۔ دُور کرو پیرہن کے بندھن کو... (۲۴۔۱۰۔۳۵) ۴۸
۳۳۔ منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں (۳۔۱۱۔۳۵) ۴۹
۳۴۔ میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں (۱۴۔۱۱۔۳۵) ۵۰
۳۵۔ گھنا، گرم جادو کسی رات کا (۲۵۔۶۔۳۶) ۵۲
۳۶۔ رسیلے جرائم کی خوشبو (۱۰۔۱۔۳۶) ۵۳

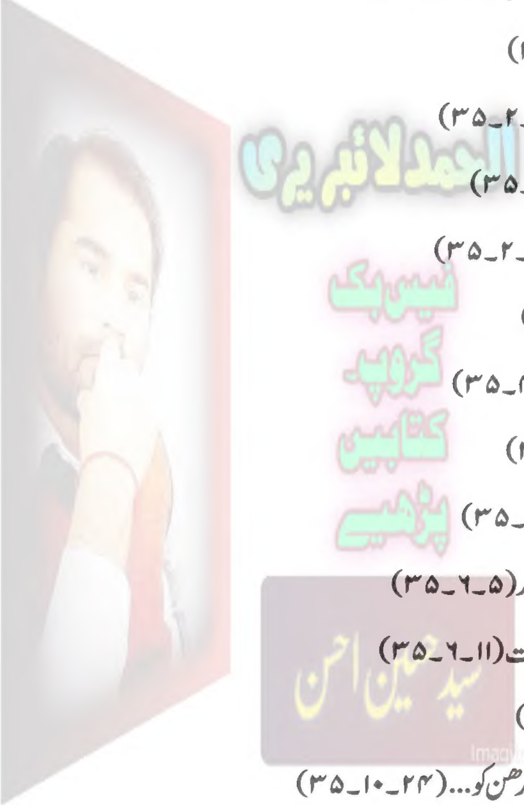

الحمد لائبریری
فیس بک گروپ۔ کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor

۳۷۔ رقصِ غزالیں (۱۴۔۴۔۳۶) ۵۴
۳۸۔ مسافروں کی تلاش (۷۔۲۔۳۶) ۵۶
۳۹۔ سنگِ آستاں (۱۵۔۱۔۴۰) ۵۸
۴۰۔ شکوہ (۳۵۔اور ۳۷ کے درمیان) ۶۰
۴۱۔ بلندیاں (۔۔.۔۔.۳۶) ۶۱
۴۲۔ بالاخانہ (۵۔۲۔۳۶) ۶۲
۴۳۔ تحلیل کے بعد (۱۹۔۱۱۔۳۶) ۶۴
۴۴۔ اجنبی، انجان عورت رات کی (۔۔.۔۔.۳۷) ۶۵
۴۵۔ حادثہ (۔۔.۔۔.۳۷) ۶۶
۴۶۔ محبت کا گیت (۱۵۔۲۔۳۷) ۶۷
۴۷۔ اعتذار (۲۔۳۔۳۹) ۶۹
۴۸۔ ترقی پسند ادب (۱۳/۹/۴۰) ۷۰
۴۹۔ طائرِ شب ۷۱
۵۰۔ نہر پر ۷۳
۵۱۔ جنسی عکس خیالوں کا ۷۴
۵۲۔ تشبیہیں ۷۵
۵۳۔ ایک عورت اور ایک تجربہ ۷۶

الحمد لائبریری
فیس بک گروپ۔ کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor

الحمد لائبریری
فیس بک
گروپ۔
کتابیں
پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor

Imagitor

حرفِ تحقیق

اُردو تحقیق کی روایت میں پچھلے چند برسوں سے حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے۔ تحقیقی معیار کو جہاں ضعف پہنچا ہے وہاں بہتری بھی ضرور آئی ہے۔ تحقیق کے جدید وسائل نے اس کے مسائل کو بڑی حد تک کم کر دیا ہے۔ تحقیقی مزاج اور ذوق رکھنے والے، دقتِ نظر سے کام لینے والے، محنت و ریاضت پر ایمان لانے والے اور تحقیق میں حتمیت اور کاملیت کی کوشش کرنے والے محققین ان جدید ذرائع کو کام میں لاتے ہوئے تحقیق کے کئی نئے در وا کر سکتے ہیں اور اسے کئی نئی منزلوں اور منطقوں سے آشنا اور ہمکنار کر سکتے ہیں۔ تحقیق کے کلچر کو فروغ دے کر اس کی راہ کے کانٹے چننے میں ہائر ایجوکیشن کمیشن نے اب تک جس قدر اپنا مثبت کردار ادا کیا ہے شاید ہی کوئی علمی ادبی یا تعلیمی ادارہ اس سے انکار کر سکے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن تعلیمی اداروں اور ان سے وابستہ اساتذہ اور طلبا کے لیے جو سہولیات فراہم کر رہا ہے اس سے اُردو تحقیق کا مستقبل بڑا روشن دکھائی دیتا ہے۔

جامعات میں تحقیق کے کلچر کو فروغ دینے کے لیے شعبہ جاتی تحقیق کے علاوہ تحقیقی مراکز کے قیام کی بھی اشد ضرورت ہے، تاکہ جامعات کے اساتذہ اور طلبا، ڈگری کے پھیر سے نکل کر تحقیقی سرگرمیوں میں حِصّہ لے سکیں۔ سنجیدہ تحقیق کاروں کے اصل جوہر ایسے تحقیقی مراکز ہی کے تحت کھل سکیں گے جہاں انھیں ماہرین تحقیق کی رہنمائی میں آزادی سے دادِ تحقیق دینے کا موقع ملے گا۔ مختلف شعبوں میں ڈگری کے لیے داخلہ لینے والے طلبا و طالبات جب نصابی اور زمانی حدود و قیود سے نکل کر ڈگری یافتہ ہو جاتے ہیں تو ملازمت کی تلاش یا ملازمت مل جانے کی وجہ سے عملی تحقیق سے ان کی وابستگی تقریباً ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایسے طلبا و طالبات کی تحقیق سے دلچسپی برقرار رکھنے اور بڑھانے کے لیے اور اُن کے تحقیقی عمل کو تسلسل دینے کے لیے جامعات میں موجود تحقیقی مراکز بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

سود و زیاں سے بے نیاز ایسے طلبا مل جاتے ہیں جو تحقیق کے فن کو سیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے تحقیقی ذوق کی آبیاری کرنے اور اسے مہمیز دینے کے لیے انھیں ایسے تحقیقی مراکز سے وابستہ کر کے کئی ایک تحقیقی منصوبوں پر کام کیا جا سکتا ہے جو جامعاتی تحقیق کے وقار اور معیار میں اضافے کا باعث ہو سکتا ہے۔

جامعات میں تحقیقی مراکز کی اس اہمیت کے پیش نظر راقم نے جی سی یونیورسٹی لاہور کے سابق قائم مقام وائس چانسلر (موجودہ ڈائریکٹر ریسرچ جی سی یونیورسٹی لاہور) پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرام صاحب کی خدمت میں ایک تحریری تجویز پیش کی تھی کہ جی سی یونیورسٹی میں زبان و ادب کے شعبوں کے لیے ایک تحقیقی مرکز قائم کیا جائے، جس کی انھوں نے خوش دلی سے منظوری دے دی تھی۔ میں نے ادارہ نقوش کے جی سی یونیورسٹی کو عطیہ کردہ بیش بہا تحقیقی نوادر کی رعایت سے اس کا نام نقوش ریسرچ سینٹر تجویز کیا تھا۔ ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء کو میں نے تجویز پیش کی، اگلے ایک سال تک پوسٹ گریجوایٹ لائبریری میں نقوش ریسرچ سینٹر کا قیام عمل میں آ گیا اور ۲۵۔ مئی ۲۰۱۲ء کو اس کا افتتاح ہوا جس میں نامور علمی ادبی شخصیات نے شرکت کی اور اس ریسرچ سینٹر کا خیر مقدم کیا۔ پچھلے سال نومبر میں انچارج پوسٹ گریجوایٹ لائبریری محمد نعیم صاحب کی تجویز پر وائس چانسلر جی سی یونیورسٹی لاہور پروفیسر ڈاکٹر حسن امیر شاہ صاحب اور رجسٹرار جی سی یونیورسٹی لاہور صبور احمد خاں صاحب نے نقوش ریسرچ سینٹر کو فعّال کرنے اور اس کے تحت تحقیقی کام کرنے اور کروانے کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔

نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی لاہور میں زبان و ادب کے شعبوں کے لیے پہلا ریسرچ سینٹر ہے۔ اس میں ذخیرۂ نقوش کے تحت سینکڑوں ادیبوں اور شاعروں کی ہزاروں قلمی تحریریں موجود اور محفوظ ہیں اور ادارہ نقوش سے ایسے مزید مسودات کی وصولی کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی اور میرزا ادیب کے نام آنے والے اصل خطوط بھی یہاں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ استاذ گرامی ڈاکٹر سیّد معین الرحمن کی نادر لائبریری بھی نقوش ریسرچ سینٹر کے لیے حاصل کی جا چکی ہے اور اُن کے پیش بہا ذخیرۂ نوادرات کا حصول ابھی باقی ہے۔ استاذِ گرامی ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے بھی اپنے نام آنے والے ادیبوں کے اصل خطوط اور اپنی بعض کتابوں کے مسودات نقوش ریسرچ سینٹر کو عطیہ کر دیے ہیں۔ استاد محترم ممتاز پروفیسر ڈاکٹر سعادت سعید صاحب، استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد احسان الحق صاحب اور ممتاز شاعر لطیف ساحل صاحب نے اپنے اپنے ذخیرے کے ایسے نوادرات سے نقوش ریسرچ سینٹر کو نوازنے کا وعدہ کیا ہے۔

نقوش ریسرچ سینٹر میں نوادرات کے ایسے ذخیروں کی جمع آوری اور اُن کے بارے میں تحقیق اور ان کی

ترتیب واشاعت میری ترجیحات میں سے ہے۔ ہر زبان وادب کی علمی ادبی شخصیات سے التماس ہے کہ وہ اس کارِخیر میں حِصّہ ڈالیں اور نقوش ریسرچ سینٹر کو اپنے ذخیرے کے نوادرات سے نوازیں۔ محترم ڈاکٹر محمود الحسن بزمی صاحب، محترمہ ڈاکٹر سیّدہ مصباح رضوی صاحبہ، محترم ذیشان وکیل صاحب اور ڈاکٹر محمد نوید صاحب نقوش ریسرچ سینٹر کے تحت بعض تحقیقی منصوبوں میں مصروف ہیں۔ جی سی یونیورسٹی لاہور کے زبان وادب کے شعبوں سے وابستہ دیگر احباب کو بھی ایسے تحقیقی منصوبوں میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تاکہ یونیورسٹی میں تحقیق کے کلچر کو فروغ ملے۔

زیرِ نظر کتاب بیاضِ میراجی نقوش ریسرچ سینٹر جی سی یونیورسٹی لاہور کی طرف سے پہلی تحقیقی پیش کش ہے۔ یہ میراجی ایک گم شدہ قلمی بیاض کی بازیافت اور اس کی رنگین عکسی اشاعت ہے۔ بیاضِ میراجی کی اس عکسی اشاعت کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ ترتیب کلام اور ہیت وساخت کے لحاظ سے اپنی اصل صورت میں محفوظ ہو جائے اور اصل کی بعینہٖ نقل تک، زیادہ سے زیادہ اہلِ علم کی رسائی آسان ہو جائے۔ کیونکہ اس کی بعض نظمیں زمانی ترتیب سے نہیں ہیں اور بعض پر تاریخ تحریر موجود نہیں اور ایک نظم بیاض میں الٹی طرف سے جلد میں آئی ہے۔ اس طرح تحقیق وتدوین کے بعد اس کی عکسی اشاعت میں بھی ترتیب کچھ بدل جائے گی۔ اس بیاض کی تدوین، کمپوز شدہ متن، حواشی، اختلاف نسخ اور دیگر تدوینی لوازم کا حامل ایڈیشن بعد میں شائع کیا جائے گا۔ اس کے تعارف اور اہمیت پر بھی اگلے ایڈیشن میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔ البتہ زیرِ نظر ایڈیشن کے شروع میں بیاضِ میراجی کی گم شدگی اور بازیافت کی روداد بھی بیان کر دی ہے اور اس کے تعارف اور اہمیت کو بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

میراجی کی یہ اصل قلمی بیاض نقوش ریسرچ سینٹر جی سی یونیورسٹی لاہور کو عطیہ کی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے ن۔م راشد کی ایک اصل بیاض بھی اُن کی اس مادرِ علمی میں محفوظ ہے اس طرح جی سی یونیورسٹی کو یہ اعزاز اور افتخار حاصل ہے کہ بیسویں صدی کے اہم اُردو شعرا کی یہی دو معلوم بیاضیں ہیں اور وہ دونوں یہاں موجود ہیں۔ جی سی یونیورسٹی کا دوسرا اعزاز یہ ہے کہ بیسویں صدی کا کوئی شاعر ادیب ایسا نہیں جس کی قلمی تحریریں اور تصویریں نقوش ریسرچ سینٹر کی زینت نہ ہوں اور ان دونوں اعزازات میں کوئی دوسرا تعلیمی ادارہ جی سی یونیورسٹی کا ثانی نہیں ہے۔ بیسویں صدی کے ایسے علمی ادبی اور قلمی نوادرات کا عشرِ عشیر بھی کسی دوسری یونیورسٹی میں موجود نہیں ہے۔

وائس چانسلر جی سی یونیورسٹی لاہور محترم ڈاکٹر حسن امیر شاہ صاحب، رجسٹرار جی سی یونیورسٹی محترم صبور احمد خاں

صاحب، ڈائریکٹر ریسرچ جی سی یونیورسٹی محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرام صاحب اور سینئر لائبریرین محترم محمد نعیم صاحب کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ انھوں نے نقوش ریسرچ سینٹر کے وسیع و وقیع ذخیرۂ نوادرات کو سنبھالنے اور اس کے بارے میں تحقیق کرنے اور کروانے کے لیے مجھ پر اعتماد کیا اور یہ ذمے داری مجھے سونپی۔ اپنے ادارے کا پیش قیمت ذخیرۂ نوادرات جی سی یونیورسٹی لاہور کو عطیہ کرنے والے ادارہ نقوش کے سربراہ محترم جاوید طفیل صاحب نے اپنے ادارے کے نوادرات کو سنبھال کر رکھا اور اب اسکالرز کے افادہ عام کے لیے وقف کر دیا ہے۔ انھوں نے نقوش ریسرچ سینٹر جی سی یونیورسٹی لاہور کے تحت ہونے والی تحقیق کو شائع کرنے کی پیش کش بھی کی ہے۔ میں ان کی نوازشات کے لیے بھی سراپا سپاس ہوں۔ نقوش ریسرچ سینٹر کو اپنے ذخیرۂ نوادرات سے نوازنے اور نوازنے کا وعدہ کرنے والے دیگر اساتذہ اور احباب کا بھی شکرگزار ہوں۔ نقوش ریسرچ سینٹر کے تحت تحقیق کرنے والے اور تحقیق کرنے کی خواہش رکھنے والے احباب کا بھی شکرگزار ہوں کہ ہمارا بنیادی مقصد تحقیق کے کلچر کو فروغ دینا ہے۔

ڈاکٹر محمد سعید
شعبۂ اُردو
جی سی یونیورسٹی لاہور

بیاضِ میرا جی کی بازیافت

اُردو شاعری کی تاریخ میں بیسویں صدی جدید نظم کی صدی ہے۔ اس صدی نے اُردو شاعری کو میرا جی دیا اور میرا جی نے اس صدی کو جدید نظم دی۔ جدید نظم کی جو تعریف مختلف نقادوں نے بیان کی ہے اس کی انتہائی صورت میرا جی کی نظم ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر آزاد نظم جدید بھی ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ میرا جی کی پابند نظمیں بھی جدید نظم کہلانے کی مستحق ہیں۔ اس طرح میرا جی وہ شاعر ہے جس کی نظمیں جدید نظم کی تعریف متعین کرنے کے لیے ایک معیار ٹھہرتی ہیں۔ ہیئت، اسلوب، آہنگ اور ابہام جیسے فنی قرینوں سے جدید نظم کا نقشہ مرتب کرنے والے میرا جی بیشتر شاعروں ادیبوں کی طرح طبعاً لاپروا اور لااُبالی تھے۔ اُن کی لااُبالی طبیعت نے اُن کی زندگی کے توازن کو بگاڑا اور معمولات زندگی کے شیرازے کو بکھیرا لیکن ان کے خلاّق ذہن نے اُن کی شعری تنظیم پر کوئی حرف نہیں آنے دیا۔ ان کی بعض فطری عادات نے ان کی شخصیت کو ایک دوسرے رُخ پر تعمیر کیا جو ابنارملٹی (Abnormality) کی حدوں کو پہنچتی ہے مگر شاعری سے محبت انھوں نے بڑے فطری انداز سے کی۔ میرا جی نے بڑی باقاعدگی سے بے قاعدہ زندگی گزاری لیکن بڑے فطری اور نازمل انداز سے اپنی تخلیقات سے اولاد کی طرح محبت کی جس طرح ہر تخلیق کار اپنی تخلیق سے کرتا ہے۔

میرا جی کے دوستوں نے ان کی متعدد تصویریں قلم بند کی ہیں لیکن اب تک اُن کی کوئی ایسی تصویر نہیں کھینچی گئی جس سے یہ پتا چل سکے کہ وہ اپنی نظموں کا نک سُک سنوارنے کے لیے کتنی محنت کرتے تھے۔ کتنی بار نظرِ ثانی کرتے تھے اور اپنے کلام میں انھوں نے کس قدر حذف و اضافے اور ترامیم کی ہیں۔ اگر یہ تصویر مکمل ہو سکے تو اُن کے ذہنی

ارتقا کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ کسی شاعر کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے اُس کی قلمی تحریریں، اس کی تخلیقات کا زمانی تعین اور مطبوعات کا متنی تقابل بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ میراجی کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے بنیادی ماخذ کی حامل اُن کی ایک گم شدہ قلمی بیاض ہے جو مکمل طور پر اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں نظموں کی تاریخ تحریر کے اندراج کا اہتمام بھی ہے اور ان نظموں پر حذف و اضافے اور ترامیم کا عمل بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہ میراجی کی وہ گم شدہ قلمی بیاض ہے جو اُن کے کسی چھوٹے بھائی نے ردّی سمجھ کر بیچ دی تھی۔ میراجی کے دوستوں یا نقادوں نے اب تک اُن کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اُن میں سے چند ایک نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ میراجی کا کچھ علمی و قلمی سرمایہ اُن کے ایک چھوٹے بھائی نے ردّی میں بیچ دیا تھا۔ اس بات کا تعین ابھی تک نہیں ہوا کہ کس بھائی سے یہ غلطی سرزد ہوئی اور اس سے میراجی کا کس قدر، کس طرح کا اور کون سا سرمایہ ضائع ہوا۔ اس سلسلے کے چند بیانات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ میراجی کے ایک معتقد دوست اور ہم دم دیرینہ اخلاق احمد دہلوی میراجی کے رونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”۔۔۔اور کبھی کبھی اپنے اُس بھائی کی نادانی پر (روتے) جس نے ان کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام ردّی کے حسابوں بیچ دیا“۔
>
> ۱۔

اخلاق احمد دہلوی آگے چل کر اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> ”میراجی کا وہ غیر مطبوعہ کلام جو میرے پاس سے دلّی میں غدر ۴۷ء کی بھینٹ چڑھا اور جس کا کفارہ میں تازیست ادا نہیں کر سکتا؛ میرے حساب سے اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا جو ان کے بھائی نے لاہور کے کسی دوکاندار کے ہاتھ ردّی میں بیچا، کیونکہ جو مسودات میراجی کے بھائی کے ہاتھ پڑے وہ زیادہ تر اُن کی غیر مطبوعہ نظموں پر مشتمل تھے لیکن میرے پاس اُن کی نظم اور نثر کے ٹکڑے تھے۔ کون جانے کس بھائی نے کس ”بھائی“ کے ہاتھ کس بھاؤ یہ خزانہ لٹا دیا“۔ ۲۔

اخلاق احمد دہلوی نے ایک تو لاہور میں میراجی کے کسی بھائی کے ہاتھوں اُن کی غیر مطبوعہ نظموں کے ردّی کے بھاؤ بک جانے کا ذکر کیا دوسرا خود اُن کے ہاتھوں میراجی کی نظم و نثر کے ٹکڑے ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کی نذر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مذکورہ بیانات سے نہ اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ کون سے بھائی سے کب یہ غلطی سرزد ہوئی اور نہ یہ تعین ہوتا ہے کہ خود اُن کے ہاتھوں کتنا علمی سرمایہ ضائع ہوا اور وہ کس نوعیت کا تھا۔ ”نظم و نثر کے ٹکڑے“ کو غیر مطبوعہ نظموں پر ترجیح دینا اور اُن کی نسبت ”زیادہ قیمتی“ کہنا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اخلاق احمد دہلوی مزید لکھتے ہیں:

> ”دس فروری ۱۹۴۸ء کو میں لاہور پہنچا اور تادم تحریر لاہور میں اس کوشش میں ہوں کہ کس طرح اُس ردّی کا کچھ کھوج لگ سکے

> جس کے لیے میرا جی اکثر روئے ہیں اور میری یہ کوشش بالکل رائیگاں نہیں گئی۔ آخر ایک پُرزہ مزنگ کے ایک دوکاندار کے ہاں سے مجھے مل ہی گیا۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ یہ کاغذ کا پُرزہ اس ڈھائی تین برس کی محنت کی کچھ قیمت نہیں ہے''۔ ۳؎

''تقریباً ایک فٹ لمبے اور چھ انچ چوڑے'' کاغذ کے اس پُرزے سے اخلاق احمد دہلوی نے جو پیراگراف نقل کیا ہے وہ میرا سین کے نام میرا جی کا خط معلوم ہوتا ہے۔ اس سے میرا جی کے روتے رہنے کا اصل سبب بھی معلوم ہو جاتا ہے ورنہ ان کے دوست یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ دلّی کے زمانے میں وہ اپنے مسودات سرِ راہ بھی اچھال دیا کرتے تھے۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے بھائی کے ہاتھوں ردّی میں بکنے والے سرمایے میں میرا جی کی نظموں کے علاوہ میرا سین کے سلسلے کی بھی خاصی تحریریں ہو سکتی ہیں۔ اخلاق احمد دہلوی نے اپنے مضمون کے آخر میں اس واقعے کو بقول میرا جی کہا ہے۔ میرا جی کی کسی تحریر میں اس کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا، ہو سکتا ہے انھوں نے اپنے بعض دوستوں کو زبانی اس واقعے کی کچھ تفصیل بتائی ہو۔

شاہد احمد دہلوی میرا جی کی گم شدہ بیاضوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میرا جی کے چھوٹے بھائی نے:

> ''میرا جی کی تمام نظمیں چند پیسوں میں بیچ ڈالی تھیں۔ ہوا یہ کہ انھوں نے سارے گھر کی ردّی کسی پھیری والے کے ہاتھ دو تین آنے سیر کے حساب بیچی اور اس میں میرا جی کی وہ دو ضخیم کاپیاں بھی تول دیں جن میں ان کی نظمیں لکھی ہوئی تھیں۔ میرا جی نے لاہور کے تمام ردّی بیچنے والے چھان ڈالے تھے مگر وہ مجموعے نہ ملنے تھے نہ ملے۔ اس کا انہیں بے حد رنج پہنچا، اتنا کہ انھوں نے اپنا گھر اور اپنے عزیزوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا''۔ ۴؎

میرا جی نے گھر اور عزیزوں کو اس وجہ سے تو نہ چھوڑا تھا البتہ اس مضمون سے یہ معلومات ملتی ہیں کہ میرا جی کی نظموں کی دو ضخیم بیاضیں تھیں۔ جو ان کے بھائی کے ہاتھوں ردّی کے بھاؤ بکیں۔ دلّی کے زمانہ قیام میں میرا جی کا شاہد احمد دہلوی سے بھی معاملہ رہا۔ انھوں نے ان کی تین کتابیں شائع کی تھیں اور اس نسبت سے قربت بھی رہے تو لازماً میرا جی نے خود انھیں یہ واقعہ بتایا ہوگا۔

ڈاکٹر رشید امجد نے میرا جی کی شخصیت اور فن کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے۔ میرا جی کے کلام کے ردّی کے بھاؤ بکنے کے واقعے کی انھوں نے بھی کچھ زیادہ تفصیل نہیں بیان کی البتہ حوالہ دیے بغیر ایک جگہ ان کی کتاب میں واوین میں یہ عبارت نظر آتی ہے:

> ''وہ اپنی تخلیقات سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے اور جب ایک بار ان کی بیاض ان کے بھائی نے ردّی میں بیچ دی تو اس شام میرا جی نے کھانا نہ کھایا اور دو تین دن تک حیران و سرگراں ردّی فروشوں کی دکانوں پر وہ کاپیاں تلاش کرتے رہے''۔ ۵؎

اب ایک گھر کی گواہی بھی ملاحظہ کیجیے۔ میرا جی کے بھتیجے راشد ڈار لکھتے ہیں:

> ''ایک دن میرا جی صبح صبح بہت خوش خوش اپنی والدہ کے پاس گئے، ناشتہ مانگا والدہ نے بٹھایا۔۔۔ میرا جی گنگنا رہے تھے۔ دادی اماں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تم بہت خوش ہو۔ بولے آج میں نے ایک ایسی کتاب مکمل کی ہے جس کے چھپنے کے بعد امر ہو جاؤں گا۔ دادی اماں نے پوچھا، کیا مطلب؟ بولے۔۔۔ جیسے وارث شاہ نے ہیر لکھی ہے ویسے ہی میں نے ''راج رانی میرا بائی''، لکھی ہے۔
>
> چند دن بعد جب کسی پبلشر سے بات کر کے آئے، مسودہ ڈھونڈا تو نہ ملا۔ میرا جی کے کمرے میں ایک کونا تھا جہاں وہ غیر ضروری کاغذ پھینکا کرتے تھے اور کچھ دنوں بعد چھوٹے بھائی سے کہا کرتے ''کاکے'' وہ کونے سے رڈی کاغذ اٹھاؤ اور جا کر بیچ دو اور پیسے تم رکھ لو۔ غلطی سے وہ مسودہ انھیں کاغذات میں پھینک دیا گیا اور وہ کتاب رڈی میں بک گئی۔ بہت کوشش کے بعد بھی وہ مسودہ نہ ملا جس کا افسوس میرا جی کو آخر دم تک تھا۔ وہ کہتے تھے میں کبھی بھی اسے دوبارہ نہیں لکھ سکتا۔
>
> اس صدمے میں زندگی میں پہلی بار اُس دن میرا جی نشے میں گھر آئے اور اپنے بجائے سامنے کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مالک مکان نے دروازہ کھولا، میرا جی کو پہچان کر بتایا کہ منشی مہتاب دین کا گھر سامنے ہے۔ میرا جی بہت شرمندہ ہوئے، سوچا! مجھے اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ اس طرح تو میں اپنے باپ کو بدنام کروں گا۔ انھی دنوں ریڈیو اسٹیشن پر سکرپٹ ایڈیٹر کی جگہ خالی ہوئی......... ''۔[٦]

رداشد ڈار نے میرا جی صدی پر بزرگوں سے سنی ہوئی باتوں کو اپنے حافظے میں کریدا تو میرا جی کے رڈی کے بھاؤ بکنے والے کلام کے بارے میں مندرجہ بالا یاداشتیں رقم کیں۔ یادداشتوں کے رقم کرنے میں ایک مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کہانی کی بعض کڑیاں حذف ہو جاتی ہیں یا حافظہ ساتھ نہیں دیتا اور بعض اوقات تسلسل بیان کے لیے یا کہانی کو مکمل کرنے اور رنگ بھرنے کے لیے بعض باتوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ راشد ڈار کے اس طویل اقتباس میں یہ دونوں صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے بیان کا ابتدائی حِصّہ اگر درست معلومات پر مبنی ہے تو راج رانی میرا بائی میرا جی نے ضرور مکمل کر لی ہو گی اور عنوان کی رعایت سے یہ اُن کے گیتوں کا مجموعہ ہو گا۔ راشد ڈار نے صرف اسی مجموعے کا ذکر کیا اگر عنوان کی رعایت سے یہ گیتوں کا مجموعہ تھا تو پھر نظموں کے مجموعے کی گم شدگی یا اس کے اسی دن اس مجموعے کے ساتھ رڈی کے بھاؤ بکنے کی معلومات اُن کے حافظے کا حِصّہ نہیں رہ سکیں یا اُن کو سنایا ہی اتنا گیا ہو گا کیونکہ اسی زمانے کا نظموں کا مجموعہ قلمی بیاض کی صورت میں دریافت ہو چکا ہے اور اپنی اصل صورت میں میرا جی کے ہاتھ سے لکھا ہوا حلقۂ پشمِ سیّہ کے عنوان سے موجود ہے۔

راشد ڈار کے بیان کے آخری حصّے میں کچھ حسن بیان کو دخل ہے۔ اُنھوں نے میرا جی کی شراب نوشی کو اُن کی کتاب راج رانی میرا بائی کے ردّی میں بکنے کا نتیجہ قرار دیا ہے جبکہ میرا جی کے احوال لکھنے والے بیشتر لوگوں نے اسے میرا سین کی محبت کا ثمر قرار دیا ہے جو کم از کم اس سے آٹھ دس سال پہلے کا واقعہ ہے یہ بحث غیر ضروری ہے اور یہ بھی غیر ضروری ہے کہ میرا جی نے اس دن پہلی بار شراب پی کر باپ کا نام بدنام کرنے کے جرم میں سزا کے طور پر خود کو لاہور بدر کیا۔ ہمارے موضوع سے متعلق راشد ڈار کے وہ آخری جملے ہیں کہ ’’انھی دنوں‘‘ میرا جی آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کی غرض سے دہلی چلے گئے۔ میرا جی ۱۹۴۲ء میں دہلی گئے اور ان کی گم شدہ بیاض بہ عنوان حلقۂ پشم سیّہ میں ستمبر ۱۹۴۰ء کے بعد کی کوئی نظم نہیں ہے۔ اگر یہ بیاض ۱۹۴۲ء میں گم ہوئی ہوتی اور ’’انھی دنوں‘‘ وہ دہلی روانہ ہوئے ہوتے تو اس بیاض میں ۱۹۴۰ء تک کا نہیں ۱۹۴۲ء تک کا کلام ہونا چاہیے تھا۔

راشد ڈار نے میرا جی کے ردّی کے کاغذات بیچنے کے سلسلے میں اُن کے ایک چھوٹے بھائی ’’کاکے‘‘ کا ذکر کیا ہے یوں تو کسی بھی چھوٹے بچے کو ’’کاکے‘‘ کہہ کر مخاطب کر لیا جاتا ہے لیکن یہ ’’کاکا‘‘ میرا جی کا وہ چھوٹا بھائی ہے جس کا نام محمد ضیا اللہ تھا اور جو وجیہ الدین احمد کے مطابق ۷ ۔ بہن بھائیوں میں چھٹے نمبر پر تھا یعنی میرا جی سے پانچ درجے چھوٹا۔ اس طرح یہ میرا جی سے کم از کم دس بارہ برس ضرور چھوٹا ہوگا۔ میرا جی کی بیاضوں کا ردّی میں بکنے کا واقعہ اگر ۱۹۴۰ء کے آخر یا ۱۹۴۱ء کے شروع کا قرار دیا جائے تو اس وقت میرا جی ۲۸ برس کے جوانِ رعنا ہوں گے اور ان کے کلام کو ردّی کے بھاؤ بیچنے والا پندرہ سولہ برس کا ’’کاکا‘‘ لڑکپن کی بہاریں دیکھ رہا ہوگا۔ میرا جی اپنے باقی بہن بھائیوں کی نسبت اس چھوٹے بھائی ضیاء اللہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سعید ڈار لکھتے ہیں:

> ’’ثنا کو گھر کے کام کاج سے بہت دلچسپی تھی .... اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے معاملات میں دلچسپی لیتا۔ ایک مرتبہ جب اس کی والدہ بہت بیمار ہو گئیں تو اپنے چھوٹے بھائی ضیا کو پہروں کھلایا کرتا۔ اس کے ساتھ اسے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اسے کاکا کہتا۔ کاکا ثنا سے اس قدر مانوس تھا کہ سوائے اس کے کسی کے ہاتھ سے دودھ نہ پیتا۔ یہاں تک کہ اپنی والدہ کے ہاتھ سے بھی دودھ پینے سے انکار کر دیتا۔ ان دنوں ثنا میرا جی بن رہا تھا۔ اس کی مصروفیات بڑھ رہی تھیں۔ مگر اس کے باوجود کاکا کو وقت مقررہ پر دودھ پلانا کبھی نہ بھولتا، خواہ اس کے لیے کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ملتوی کرنا پڑتا‘‘۔ ۸۔

راشد ڈار اور سعید ڈار کے بیانات کو ملا کر پڑھیے تو یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ میرا جی کے جس چھوٹے بھائی نے غلطی سے ان کے مسودات کو ردّی کے بھاؤ بیچ دیا تھا اس کا نام ضیا اللہ عرف کاکا تھا اس سلسلے کے

مندرجہ بالا سارے بیانات کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ:۔

۱۔ میراجی کے مسودات رڈی کے بھاؤ بکنے کا واقعہ ۱۹۴۰ء کے آخر یا ۱۹۴۱ء کے شروع کے زمانے کا ہو سکتا ہے۔ جب وہ لاہور میں مقیم تھے اور رسالہ ادبی دنیا سے وابستہ تھے۔

۲۔ میراجی کے ان گم شدہ مسودات میں ان کی دو بیاضیں راج رانی میرابائی (گیتوں کا مجموعہ) اور حلقۂ پشمِ سیّہ (نظموں کا مجموعہ)، میرا سین کے نام لکھے ہوئے وہ خط جو پوسٹ نہ کیے گئے تھے اور کچھ اُن کے تنقیدی مضامین بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ یہ مسودات اُن کے چھوٹے بھائی محمد ضیا اللہ عرف کاکا کے ہاتھوں دوسرے رڈی کاغذات کے ساتھ بکے۔

۴۔ اور یہ کہ اس کا اثر میراجی پر ضرور ہوا ہوگا، وہ مایوس بھی ہوئے ہوں گے، گھر والوں سے ناراض بھی ہوئے ہوں گے اور روتے بھی ضرور رہے ہوں گے لیکن یہ نہیں کہ انھوں نے پہلی بار شراب نوشی شروع کر دی یا لاہور اور عزیزوں ہی کو چھوڑ دیا۔

میراجی کی زیرِ نظر گمشدہ قلمی بیاض ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس تھی۔ جب وہ جی سی یونیورسٹی لاہور سے وابستہ تھے اور شعبہ فارسی میں بیٹھا کرتے تھے تو اکثر ان سے ملاقات رہتی تھی۔ اس کے علاوہ میں اپنے محترم دوست ڈاکٹر ہارون عثمانی کے ساتھ کبھی کبھی وحید قریشی صاحب کے گھر بھی چلا جاتا تھا۔ پھر بوجوہ میں نے ان کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصے بعد دو ایک بار ان کا فون آیا کہ آؤ، تم سے کام ہے۔ میں ایک دن چلا گیا تو یہ کہتے ہوئے میراجی کی یہ بیاض میری طرف بڑھائی کہ ”ایہہ لے، ایہدے تے مضمون لکھ۔ جالبی نیں متن برباد کر دتا اے“۔ میں نے شکریے کے ساتھ بیاض رکھ لی لیکن سوچا کہ جب جالبی صاحب جیسا محقق اور مدوّن اس بیاض کا متن کلیات میراجی میں شامل کر چکا ہے تو پھر میرے مضمون کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ یہ بھی سوچا ہو سکتا ہے وہ محض میری دلجوئی کی خاطر یہ بیاض مجھے عنایت کر رہے ہوں۔ اس کے بعد بھی دو ایک بار ملنے پر انھوں نے مضمون کا پوچھا لیکن میں مصروفیت کا بہانہ کر دیتا۔ راشد صدی پر استاد محترم ڈاکٹر سعادت سعید صاحب نے بیاض راشد کے عکس شائع کیے تو میراجی صدی پر میں نے اس خیال سے بیاض کو نکالا کہ اس کے عکس چھاپ دوں لیکن کلیات میراجی سے موازنے پر معلوم ہوا کہ اس میں تو رفو کا بہت کام ہے۔ میں ان دنوں اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے میں مصروف تھا اس لیے بیاض کو پھر بند کر کے رکھ دیا۔

میراجی کی اس گم شدہ قلمی بیاض کا تقریباً تمام متن کلیات میراجی میں آ چکا ہے اس کے باوجود یہ بیاض

دریافت کا درجہ رکھتی ہے کہ اب تک پردہ اخفا میں تھی اور اس کا تعارف تو کیا ذکر تک کہیں نہیں ملتا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے چونکہ کلیات میراجی کے لیے ڈاکٹر وحید قریشی سے اس کی نقل منگوائی تھی اور اس کے متن کو کلیات میں شامل کیا تھا اس لیے ان کی مرتبہ کلیات کے دیباچے میں اس کا ذکر آ گیا ہے لیکن صرف اس قدر کہ اس کلیات میں:

> ”حلقۂ پشمِ سیّہ نامی بیاض کا کلام بھی شامل ہے جو ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس ہے۔ اس بیاض میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، فحش کلام نہیں ہے بلکہ خاصی تعداد میں وہ نظمیں ہیں جو میراجی کی نظمیں (مطبوعہ ساقی بک ڈپو دہلی ۱۹۴۴ء) میں شامل ہیں۔“[۹]۔

ڈاکٹر جمیل جالبی آگے چل کر اظہار تشکر کے لیے لکھتے ہیں:

> میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے حلقۂ پشمِ سیّہ کی عکسی نقل بغیر کسی تامل کے مجھے ۱۹۷۲ء ہی میں فراہم کر دی تھی۔“[۱۰]۔

کلیات میراجی کا پہلا ایڈیشن اردو مرکز لندن سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تھا۔ گویا کلیات کی ترتیب کے وقت تک اس بیاض کی نقل سولہ برس ڈاکٹر جمیل جالبی کے زیر مطالعہ رہی۔ اس کے بارے میں ان کا یہ کہنا درست نہیں کہ اس بیاض کی نظمیں ”خاصی تعداد“ میں میراجی نظمیں میں شامل ہیں کیونکہ اس بیاض میں کل باون نظمیں ہیں جن میں سے صرف سات میراجی کی نظمیں میں شامل ہیں۔ اس کی تصحیح کلیات کے دوسرے ایڈیشن میں بھی نہیں ہو سکی۔ غرض یہ کہ میراجی کی اس گم شدہ بیاض کے بارے میں بنیادی نوعیت کی تحقیقی معلومات بھی کہیں نہیں ملتیں۔

میراجی کے بارے میں چند ایک تحریریں ایسی ہیں جو فی الوقت دستیاب نہیں ہو رہیں جیسے سعید ڈار نے اپنے مضمون ”وہ جو میراجی نہ تھا“ مطبوعہ ادب لطیف، لاہور، اپریل ۱۹۶۴ء میں لکھا ہے کہ اب تک میراجی کے خاندان کے لوگوں نے اُن کے بارے میں چھے مضامین لکھے ہیں۔ مجھے اُس زمانے کے صرف دو مضامین مل سکے ہیں باقی کی ابھی تلاش ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب، جن کے پاس یہ بیاض ایک عرصہ رہی، اُن کی بھی کوئی تحریر اس کے بارے میں میری نظر سے نہیں گزری۔ برادرم ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی جو ڈاکٹر وحید قریشی کے بہت قریب رہے اور ان کے بارے میں نذرِ وحید بھی مرتب کی ہے، انھوں نے بھی تصدیق کی ہے کہ اس بیاض کے بارے میں ان کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ میں بھی ان سے اپنی بے وقوفانہ خفگی کے باعث کوئی پوچھ گچھ نہیں کر سکا تھا۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری صاحب جو براہِ راست ان کے شاگرد ہیں اور ۱۹۶۲ء میں اورینٹل کالج لاہور میں اُن سے درس لیتے رہے،

اُن کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کلاس میں میراجی کی یہ بیاض لایا کرتے تھے اور اس سے پڑھایا کرتے تھے۔ اس سے کم از کم یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیاض ۱۹۶۲ء سے تو ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس ضرور ہی تھی۔ ان کے پاس یہ بیاض کہاں سے آئی۔ اُن کی کسی یادداشت کی غیر موجودگی تک، یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے خود کسی پرانی کتابیں بیچنے والے سے خریدی یا اُن کے کسی خوش ذوق دوست نے اُن کی دلچسپی کے پیشِ نظر انھیں تحفے میں دی۔

بیاضِ میراجی: تعارف اور اہمیت:

☆ میراجی کی یہ بیاض اوّل تا آخر اُن کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی ہے اور اس پر کسی دوسرے کے قلم سے ایک لکیر یا نقطہ تک نہیں۔

☆ یہ بیاض سرورق سے لے کر آخری سادہ اور خالی صفحے تک مکمل صورت میں موجود اور محفوظ ہے اور اس کا کوئی صفحہ ضائع نہیں ہوا۔

☆ یہ بیاض ہر قسم کے آزار یعنی آب زدگی اور کرم خوردگی سے محفوظ ہے اور کوئی ورق کٹا پھٹا ہوا بھی نہیں ہے۔ محض چند صفحے کناروں سے آب زدہ ہیں لیکن ان سے متن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

☆ اس بیاض کا سارا متن صاف جلی، نمایاں اور قابل قرأت ہے۔

☆ صرف چند اوراق کے علاوہ اس بیاض کے لیے ایک ہی معیار کا کاغذ استعمال ہوا ہے جو اپنے زمانے کے لحاظ سے معیاری، صاف، دبیز اور قدرے چمک دار ہے۔

☆ اس بیاض کا سائز=۲۰۸×۳۰۰ ہے۔

☆ سرورق سے لے کر آخر تک متن کے ہر صفحے پر میراجی کے دستخط ہیں۔

☆ پوری بیاض سیاہ روشنائی سے لکھی گئی ہے صرف چھے نظمیں نیلی روشنائی سے ہیں۔

☆ اس بیاض کو تحریر کرنے کے لیے باریک قط والے ہولڈر یا روشنائی والے پین کا استعمال کیا گیا ہے۔

☆ بیاض پر مسلسل صفحات نمبر درج نہیں ہیں بلکہ ہر نظم کے صفحات پر الگ الگ نمبر شمار ہیں۔ ایک صفحے کی نظم پر کوئی صفحہ نمبر درج نہیں۔

☆ ہر نظم نئے صفحے سے شروع ہوتی ہے اور طاق صفحے پر ختم ہونے والی نظم کا اگلا جفت صفحہ خالی چھوڑا گیا ہے۔

☆ ایک نظم کے سوا ہر نظم کے آخر میں اختتام کی علامت بنائی گئی ہے۔

☆ اس بیاض میں ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک کی نظمیں ہیں۔

☆ اس بیاض کی تقریباً ہر نظم پر تاریخ درج ہے۔

☆ اس بیاض میں موجود پہلی نظم ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء کی تخلیق ہے جس کا عنوان ’’پران دان کی پہیلی‘‘ ہے۔

☆ اس بیاض کی زمانی لحاظ سے آخری نظم ’’ترقی پسند ادب‘‘ ہے جو ۱۳۔ ستمبر ۱۹۴۰ء کی تخلیق ہے۔

☆ زمانی تعین والی اس آخری نظم کے بعد بیاض کے آخر میں پانچ نظمیں ایسی ہیں جن پر کوئی بھی تاریخ درج نہیں ہے۔ ان نظموں کے عنوانات بالترتیب یہ ہیں: ’’طائرِ شب‘‘، ’’نہر پر‘‘، ’’جنسی عکس خیالوں کا‘‘، ’’تشبیہیں‘‘، ’’ایک عورت اور ایک تجربہ‘‘۔

☆ پانچ نظمیں اس بیاض میں ایسی ہیں جن پر صرف سال تحریر درج ہے۔ ان کے عنوانات یہ ہیں: ’’تماشہ‘‘، ’’چنچل‘‘، ’’بلندیاں‘‘، ’’اجنبی انجان عورت رات کی‘‘، اور ’’حادثہ‘‘۔

☆ ایک نظم ’’چیستان‘‘ ایسی ہے جس پر تاریخ اور سال درج ہے لیکن مہینے کا نام سہواً درج ہونے سے رہ گیا ہے۔

☆ ’’شکوہ‘‘ کے عنوان سے ایک نظم ایسی ہے جس کے آخر میں تاریخ کی جگہ یہ الفاظ درج ہیں: ’’۳۵ اور ۳۷ کے درمیان‘‘۔

☆ اس بیاض میں نمبر شمار جہاں پہ بھی ہیں وہ اُردو ہندسوں میں ہیں یعنی صفحات نمبر اور تاریخیں۔ تاریخ میں مہینا بھی اُردو ہندسوں میں لکھا ہے اور تاریخ کے اندراج کا طریق بھی اردو تحریر کی طرح ہے یعنی دائیں سے بائیں۔

☆ زمانی لحاظ سے اس بیاض میں ۱۹۳۵ء کی نظمیں تعداد میں سب سے زیادہ یعنی چوبیس ہیں۔ ان میں سے بھی جنوری اور فروری ۱۹۳۵ء کی نظمیں زیادہ ہیں۔ اس بیاض کی حد تک یہ سال گویا میراجی کی نظم نگاری کے عروج کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد غالباً گیت نگاری کی طرف ان کی توجہ زیادہ ہو گئی تھی۔

☆ ۱۹۳۴ء کی آٹھ نظمیں ہیں۔

☆ ۱۹۳۶ء کی سات نظمیں ہیں۔

☆ ۱۹۳۷ء کی چار ہیں۔

☆ ۱۹۳۸ء کی ایک بھی نظم موجود نہیں ہے جو شاید ’’ادبی دنیا‘‘ میں ملازمت کی وجہ سے مصروفیت بڑھ جانے کا نتیجہ

ہے۔

☆ ۱۹۳۹ء کی صرف ایک نظم ہے۔

☆ ۱۹۴۰ء کی دو نظمیں ہیں۔

☆ ۱۹۳۶ء کی تقریباً تمام نظمیں تاریخ تحریر درج ہونے کے باوجود زمانی لحاظ سے بے ترتیب ہیں۔ ۱۹۳۴ء اور ۱۹۴۰ء کی ایک ایک نظم بھی اسی زمانی بے ترتیبی کا شکار ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ تمام نظمیں زمانی ترتیب سے بیاض کی زینت ہیں۔

☆ ایک نظم ''میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں'' اس بیاض میں الٹی طرف سے لگی ہے یعنی ایک ورق کے دونوں طرف لکھی گئی اس نظم کا دوسرا اور آخری صفحہ پہلے آ گیا ہے اور عنوان والا پہلا صفحہ بعد میں ہے۔

☆ صفحات پر پھیلاؤ کے لحاظ سے دو نظمیں ''پران دان کی پہیلی'' اور ''ایک کلی اور اُس کے مالی'' اس بیاض کی طویل ترین نظمیں ہیں جو تین تین صفحات پر محیط ہیں۔

☆ اس بیاض کی پندرہ نظمیں ایسی ہیں جو دو دو صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

☆ پینتیس نظمیں ایک ایک صفحے کی ہیں۔

☆ اس بیاض کے سرورق کے بعد فہرست کا صفحہ ہے جس پر صرف چودہ نظموں کے نام درج ہیں جبکہ بیاض میں نظمیں زیادہ ہیں۔ فہرست میں مندرج ان چودہ میں سے بھی دو نظمیں ''سوال'' اور ''کیف حیات'' بیاض میں موجود نہیں۔

☆ بیاض میں دوسری نظم کے طور پر نظم کا عنوان ''تحریک'' درج ہے لیکن اس کے نیچے پہلے مصرعے کے صرف دو لفظ ہیں ''تمہاری تمناؤں'' اس کے بعد پورا صفحہ خالی ہے۔ آگے چل کر بیاض کی بیسویں نظم کے طور پر اس مکمل نظم کو شامل کیا گیا ہے۔

☆ اس بیاض میں کل باون نظمیں ہیں جن میں سے صرف چودہ نظمیں ایسی ہیں جو میراجی کے شعری مجموعوں میں شامل ہو سکی ہیں۔

☆ اس بیاض کی دو مختلف نظموں کا عنوان ''ایک گیت'' ہے۔ ان میں سے ایک میراجی کے گیت میں بطور گیت شامل ہے۔

☆ میراجی کے شعری مجموعوں میں آنے والی چودہ نظموں کے علاوہ پانچ مزید ایسی نظمیں ہیں جو رسالہ نیا دور

میں شائع ہوئیں۔ اس کا تعین کلیات میراجی مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی سے ہوتا ہے۔

☆ مذکورہ بالا انیس نظموں کے بعد تینتیس نظمیں ایسی بچتی ہیں جو غیر مطبوعہ نظموں کا درجہ رکھتی تھیں۔ (ان میں سے مزید کچھ رسائل میں بھی ضرور شائع ہو چکی ہوں گی) ایک نظم ''منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں'' کے علاوہ باقی بتیس نظمیں کلیات میراجی میں پہلی بار سامنے آئی تھیں۔

☆ اس بیاض میں شامل اکثر نظموں پر میراجی نے ایک سے زیادہ بار نظرِ ثانی کی ہے۔ اس طرح اُن میں ترمیم و اضافے کا عمل دکھائی دیتا ہے۔

☆ اس بیاض کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ میراجی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی اور اُن کی نظرِ ثانی شدہ ہے۔

☆ یہ بیاض اوّل تا آخر مکمل ہے اور اس کا متن ہر طرح کے نقصان سے محفوظ ہے۔

☆ اس بیاض کے ذریعے پہلی بار میراجی کے طرزِ املا اور رسم الخط کا تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

☆ میراجی کی ۱۹۴۰ء تک کی نظموں کے تاریخی تعین میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

☆ اس بیاض کے ذریعے میراجی کی ۱۹۴۰ء تک نظم نگاری کی تاریخ مرتب ہوتی ہے جس سے اُن کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

☆ اس بیاض کی مدد سے میراجی کی چالیس نظموں کے سالِ تحریر کے علاوہ تاریخ اور مہینے کا بھی تعین ہوتا ہے۔

☆ اس کے ذریعے کلیاتِ میراجی میں شامل بعض نظموں کی تاریخ تخلیق کی توثیق اور تصیحح ہوتی ہے۔

☆ کلیاتِ میراجی میں اس بیاض کے شامل ہونے کے باوجود میراجی کی چوبیس نظموں کی تاریخ تخلیق کا تعین پہلی بار اس اصل بیاض کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ بے تکلف عریانی، بے حجاب جنسیت (۲۲۔ جنوری ۱۹۳۵ء)

کلیاتِ میراجی میں اس نظم کا واحد ماخذ زیرِ نظر بیاضِ میراجی ہے جس میں مکمل تاریخ موجود ہے لیکن مہینے کا ہندسہ اوپر سے نم آلود ہونے کی وجہ سے ذرا سا پھیل گیا ہے۔ جالبی صاحب اس کا تعین نہیں کر پائے تو انھوں نے مہینے کے ساتھ تاریخ سے بھی اس نظم کو آزاد کر دیا ہے اور صرف سال لکھنے پر اکتفا کر لیا حالانکہ واضح طور پر ایک ہندسہ دکھائی پڑتا ہے اور پھر یہ نظم بیاض میں ان نظموں کے درمیان ہے جو جنوری ۱۹۳۵ء کی ہیں مثلاً ترتیب میں اس سے پہلے ۲ جنوری کی ایک اور ۵ جنوری کی دو نظمیں ہیں اور اس کے بعد

۲۵ جنوری کی اور دو ۲۷ کی اور ایک ۲۹ جنوری کی ہے اسی طرح آگے فروری ۱۹۳۵ء کی بھی چند نظمیں ہیں۔ لہٰذا حتمی طور پر اس نظم کی تاریخ تحریر ۲۲ جنوری ۱۹۳۵ء ہی ہے۔

۲۔ جوانی کے گھاؤ (۲۵۔فروری ۱۹۳۵ء)

کلیاتِ میرا جی میں شامل اس نظم کا واحد ماخذ بیاضِ میرا جی ہے اور بیاض میں واضح طور پر نظم کے آخر میں ۲۵۔۲۔۱۹۳۵ء کی تاریخ درج ہے لیکن جالبی صاحب نے اس تاریخ کو ظاہر نہیں کیا۔ سہواً اُن کی نظر سے رہ گئی ہوگی۔

☆ اس بیاض پر میرا جی نے نظر ثانی کرتے ہوئے جو ترمیم و اضافے کیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے اُن میں سے اکثر کو ظاہر نہیں کیا۔

☆ کلیاتِ میرا جی میں جن نظموں کا واحد ماخذ زیر نظر بیاض میرا جی ہے اُن کو کلیات میں درج کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی بعض لفظوں کی درست قرأت نہیں کر سکے۔ اس طرح لفظ کچھ سے کچھ بن گئے اور بعض مصرعے کلیات میں بے معنی ہو کر رہ گئے۔ ان کی تصحیح پہلی بار اس بیاض کی مدد سے کی جا سکے گی۔ مثلاً

۱۔ میرا جی کی نظم ‘‘چنچل’’ کا ایک مصرع بیاض میں اس طرح ہے:

‘‘یہ ڈھنگ منوہر اور زہری سُوجھے ساگر کی پریوں سے’’

اس مصرعے میں سے لفظ ‘‘زہری’’ کلیات میں ‘‘زبری’’ بن گیا ہے۔

۲۔ ایک نظم ‘‘شجرِ ممنوعہ کی ترغیب’’ کا ایک مصرع بیاض میں یوں ہے:

‘‘آج باقی ہے!___ بہ ایں حسن دواں’’

جبکہ کلیاتِ میرا جی میں ‘‘حسن رواں’’ درج ہے۔

۳۔ ‘‘ایک کلی اور اُس کے مالی’’ کے بیاض میں دو شعر اس طرح ہیں:

‘‘اور آنکھوں کے پیغاموں کا　　پیتم نے میٹھے ناموں کا
ہار مری آنکھوں کو دکھایا　　اور مجھے سرمست بنایا’’

ان میں سے تیسرے مصرعے کا پہلا لفظ روشنائی کے قدرے پھیل جانے سے ‘‘ہار’’ اور ‘‘بار’’ دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے لیکن ‘‘یار’’ کسی صورت دکھائی نہیں دیتا جبکہ کلیاتِ میرا جی میں اس کی قرأت ‘‘یار’’ کی گئی ہے۔ اس سے پہلے مصرعے ‘‘پیتم نے میٹھے ناموں کا’’ کے بعد ‘‘یار’’ کا تو کوئی محل نہیں بنتا کہ پیتم نے کون سا یار

دکھانا تھا۔ ’’بار‘‘ کا محل یوں نہیں کہ اگلے مصرعے میں سرمستی اور سرشاری کا تاثر ہے لہٰذا یہ لفظ ’’ہار‘‘ ہی ہوسکتا ہے۔

۴۔ بیاضِ میراجی کی ایک نظم ’’چیستان‘‘ کا ایک مصرع ہے:

’’لے کے، دے کے انگ دان‘‘

اس مصرعے میں واضح طور پر ’’انگ‘‘ پڑھا جا رہا ہے۔ اس بند میں معنی کے لحاظ سے محل بھی ’’انگ‘‘ کا ہے لیکن جالبی صاحب نے غلط قرأت کی اور کلیات میں اسے ’’الگ‘‘ بنالیا۔

۵۔ بیاض کی نظم ’’تحلیل کے بعد‘‘ کا تیسرا مصرع یوں ہے:

’’اندرونی ملامتیں جاگیں‘‘

اور یہ واضح طور پر پڑھا جا رہا ہے۔ کلیاتِ میراجی میں بیاضِ میراجی سامنے ہونے کے باوجود اس نظم کا ماخذ نیا دور درج ہے گویا اس نظم کا متن نیا دور کے مطابق ہے۔ اس طرح نظم کے مذکورہ مصرعے کے لفظ ’’ملامتیں‘‘ کو کلیات میں نیا دور کی پیروی میں ’’علامتیں‘‘ بنا دیا گیا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس سے مصرع کس قدر بے معنی ہوگیا ہے۔

کلیاتِ میراجی کا متن کس بے دردی سے مسخ ہوا ہے اس کا اندازہ مندرجہ بالا مثالوں سے کیا جا سکتا ہے اور ایسی بیسویوں مثالیں مزید ہیں۔

☆ کلیاتِ میراجی میں ڈاکٹر جمیل جالبی ہی نے صحتِ متن کو نظر انداز نہیں کیا پابند نظمیں میں مختار صدیقی بھی اس سہو و خطا یا لاپرواہی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پابند نظمیں کی ترتیب کا کام خود میراجی نے ہی مکمل کیا تھا لیکن اس کا مسودہ مختار صدیقی کے پاس رہا اور انھوں نے میراجی کی وفات کے کئی برس بعد ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔ زیرِ نظر بیاضِ میراجی میں موجود ایک نظم ’’گھنا، گرم جادو کسی رات کا‘‘ کا ایک بند ملاحظہ کیجیے:

گرفتار تھا حُسن کے جال میں
تھرکتا تھا لذّت سے ہر ایک تار
حیا مست، بیخود تھی، مدہوش تھی
تھے بیباک دونوں، شکاری_ شکار

بیاضِ میراجی کی جس نظم کا یہ بند ہے وہ پابند نظمیں میں بھی شامل ہے اور کلیاتِ میراجی میں بھی شامل ہے۔ کلیات میں اس کا ماخذ پابند نظمیں ہی کو بنایا ہے لیکن ان دونوں جگہ مندرجہ بالا بند کا دوسرا مصرع مختلف ہے۔ پابند نظمیں میں اس طرح ہے:

تھرکتا تھا لذّت سے ہر ایک تار میں

گویا مختار صدیقی نے (یا سہواً خود میراجی نے) اس مصرعے کے آخر میں ''میں'' کا اضافہ کر دیا ہے خیال یہ کیا ہوگا کہ اس سے پہلے مصرعے کے آخر میں ''میں'' ہے تو یہاں بھی آنا چاہیے کیونکہ یہ پابند نظمیں ہیں۔ اس طرح پورے مصرعے پر توجہ نہ رہ سکی اور نہ پوری نظم کی ہیت ہی کی طرف دھیان گیا جس سے مصرع وزن سے خارج ہو گیا۔ کیونکہ یہ ساری نظم فعولن، فعولن، فعولن، فعو کے وزن پر ہے۔ اس کے چار بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور پابندی کے ساتھ ہر بند کے ہر شعر کا دوسرا مصرع آپس میں ہم قافیہ ہے یعنی ہر بند کے دونوں شعر آپس میں ہم قافیہ ہیں۔ اس بند کے دو شعروں میں ''تار'' اور ''شکار'' گویا قافیے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس پابند نظم کی ہیت کو نظر انداز کرتے ہوئے پابند نظمیں کے بے وزن مصرعے کو اس طرح وزن میں کیا ہے:

تھرکتا تھا لذت سے ہر تار میں

یعنی مصرعے کو وزن میں لانے کے لیے ''ایک'' کو نکال کر اس کی جگہ ''ہر'' رکھ دیا۔ شعوری تحریف کا کلیاتِ میراجی کے متن کو بے توجہی اور لاپرواہی سے ترتیب دینے کا عالم یہ ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے پاس بیاضِ میراجی کی نقل موجود تھی اس کے باوجود انھوں نے اسے نظر انداز کیا اور متنی الجھن کو حل کرنے کے لیے اپنے قیاس کو ترجیح دے کر تحریف کر ڈالی۔ ستم یہ کہ پابند نظمیں کے سہو کی نشاندہی کیے بغیر اس کی اصلاح فرما کر ایک اور غلطی کے مرتکب ہوئے۔

☆ کلیاتِ میراجی میں بیاض کی نسبت بعض مصرعوں کی ترتیب اور بعض جگہ نشت اور بعض جگہ نظموں کے بند کی تقسیم بدل گئی ہے جس سے نظموں کی ہیت متاثر ہوئی ہے مثلاً

۱۔ میراجی کی نظم ''تحلیل کے بعد'' کے آخری چار مصرعے بیاض میں اس طرح ہیں:

اس طرح خلوت شبانہ کا

اختتام

ایک بوسۂ مبہم
بن کے رہ جائے گا، نہ تھا معلوم

میرا جی نے یہاں اگر ایک لفظ کو ایک الگ مصرعے کے طور پر اور وقفے سے درج کیا تو ظاہر ہے وہ کوئی صوتی تاثر بنانے کے لیے ہے۔ ایک لفظ پر مشتمل اس الگ مصرعے ”اختتام“ کو کلیات میں اگلے مصرعے کے شروع میں لگا کر دو مصرعوں کا ایک مصرع بنا دیا ہے جس سے ہیت اور مفہوم دونوں کو ضعف پہنچا ہے۔

۲۔ کلیاتِ میرا جی میں ”طائرِ شب“ کا واحد ماخذ بیاضِ میرا جی ہے۔ اس نظم کے چار مصرعے اس ترتیب سے درج ہیں:

چاہت ہے ملنا روحوں کا
چاہت ہے کھلنا کلیوں کا
دو گیتوں کا گھل مل جانا
آکاش کا سندیسہ آنا

میرا جی نے ان میں سے تیسرے مصرعے کے آخر سے کچی پنسل سے اس طرح الٹی لکیر کھینچی ہے جو اس تیسرے مصرعے کو ایک طرح سے خط کشیدہ کرتی ہوئی چوتھے مصرعے کے آغاز کی طرف سے ہو کر اس کے نیچے تیر کا نشان بناتی ہوئی ختم ہوئی ہے۔ واضح طور پر یہ اشارہ ہے کہ ان میں سے تیسرے مصرعے کو چوتھے مصرعے کے بعد رکھا جائے یعنی ان میں سے تیسرا مصرع چوتھا اور چوتھا تیسرا بن جائے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس اشارے سے یہ سمجھے کہ ان دونوں مصرعوں کا ایک مصرع بنانا ہے اور انھوں نے کلیات میں ایسا کر دیا یعنی چوتھے مصرعے کو تیسرے کے بعد رکھ کے ایک مصرع بنا دیا۔ حالانکہ واضح طور پر تیر کا نشان چوتھے مصرعے کے آغاز پر نہیں رُکا بلکہ پہلے حرف الف ممدودہ کے نیچے تک آیا ہے۔ میرا جی کے ترمیم کے اشارے پر عمل کر کے ان مصرعوں کو دوبارہ پڑھیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی مفہوم میں تبدیلی آئی ہے کہ ”دو گیتوں“ کا گھلنا ملنا اپنی مرضی سے نہیں بلکہ قدرت کا پیغام اور فطرت کا تقاضا ہے یعنی ملاپ کو خود پر لینے کی بجائے قدرت کے حکم کی تعمیل قرار دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے اس مفہوم کو بیان کرنے کے لیے سندیسہ پہلے آئے گا اور اُس کے نتیجے میں ملاپ ہوگا۔ یہی مفہوم پہلی ترتیب سے بھی ظاہر کیا جا سکتا تھا لیکن اس صورت میں ”آنا“ کے قافیے کو قربان کرنا پڑتا۔

۳۔ میرا جی کی نظم ”بلندیاں“ جو بیاض میں بھی ہے، میرا جی کی نظمیں میں بھی اور کلیاتِ میرا

جی میں بھی شامل ہے جہاں اس کا ماخذ میرا جی کی نظمیں ہے۔ بیاض میں اس کے تین بند بنائے گئے ہیں جبکہ میرا جی کی نظمیں میں بند کی تقسیم کے بغیر مسلسل ہے۔ کلیات میرا جی میں ان دونوں ماخذ سے انحراف کرتے ہوئے اس کے دو بند بنا دیے گئے ہیں۔

☆ میرا جی کی ایک نظم ہے ''منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں'' یہ اس بیاض میں موجود ہے لیکن کلیات میرا جی میں شامل نہیں ہو سکی تھی حالانکہ یہ اس وقت تک غیر مطبوعہ تھی۔ یہ نظم پہلی بار اختر الایمان کے مرتبہ مجموعے سہ آتشہ (۱۹۹۰ء) میں شامل ہوئی۔ اس میں شائع ہو جانے کے باوجود کلیات کے دوسرے ایڈیشن (۱۹۹۶ء) میں بھی شامل نہیں ہے حالانکہ سہ آتشہ کلیات کے مآخذ میں موجود ہے۔

میرا جی کی ایک اور نظم ہے ''میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں''۔ بیاض میرا جی میں اس نظم کے چھوٹے بڑے دس بند ہیں جن میں سے کلیات میرا جی میں اس نظم کے صرف پہلے چھ بند اور ساتویں بند کے پہلے دو مصرعے شائع ہوئے ہیں۔ گویا کلیات میں شامل یہ نظم نامکمل ہے اور اس کے آخری چار بند اب میرا جی کے غیر مطبوعہ کلام کا درجہ رکھتے ہیں، جو اس سے پہلے کہیں بھی شائع نہیں ہوئے۔ اس نظم کے یہ چار غیر مطبوعہ بند ملاحظہ کیجیے:

مگر رازِ حقیقت مجھ پہ ظاہر ہی نہیں ہوتا،
میرا اشکی تخیّل اپنی پروازوں میں اُلجھا ہے!
میرا معبود کیوں محکوم ہے میرے خیالوں کا؟
(معبود سمجھا ہوں، فقط میرا تصوّر ہے!)
وہ اک آزاد ہستی کیوں نظر آتا نہیں مجھ کو؟

یہ جذبے دل میں رہ کر، گُند ہو کر پھر اُبھرتے ہیں،
یُونہی میں ہوں، یہ میری زندگی، اَور جنس کی اُلجھن،
مجھے معبود سے ملنا میسّر ہی نہیں ہوتا!

میرا معبود عورت ہے!

میں جنسی کھیل کو کیوں اِک تن آسانی سمجھتا ہوں؟
عبادت کے طریقے حرکتیں ہیں جوش میں لاتی،
گھٹا میں جس طرح بجلی چمکتی ہو،
کہ جیسے بحرِ طوفاں خیز کا جلوہ!

میری معبود اک عورت ہے، میرے ذہن کا نغمہ،
مُجھے ملنا میسّر ہی نہیں ہوتا،
میں جنسی کھیل کو صرف اِک تن آسانی سمجھتا ہوں!

☆☆☆

حوالہ جات

ا۔ **اخلاق احمد دہلوی**، ’’ردّی کے بھاؤ‘‘، مشمولہ: نقوش (سالنامہ)، (لاہور: شمارہ نمبر ۱۵، ۱۶، دسمبر ۱۹۵۰ء)، ص: ۹۱

۲۔ **اخلاق احمد دہلوی**، ’’ردّی کے بھاؤ‘‘، مشمولہ: نقوش (سالنامہ)، ص: ۹۱

۳۔ **اخلاق احمد دہلوی**، ’’ردّی کے بھاؤ‘‘، مشمولہ: نقوش (سالنامہ)، ص: ۹۳

۴۔ **شاہد احمد دہلوی**، ’’میرا جی‘‘، مشمولہ: میرا جی: ایک مطالعہ، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ص: ۵۸

۵۔ **رشید امجد**، ڈاکٹر، میرا جی: شخصیت اور فن، (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۵ء)، ص: ۸۷

۶۔ **راشد ڈار**، ’’میرا جی - چند یادیں‘‘، مشمولہ: بازیافت، (لاہور: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، شمارہ: ۲۱، جولائی - دسمبر ۲۰۱۲ء)، ص: ۹۹-۱۰۰

۷۔ **وجیہہ الدین احمد**، ’’سرگذشتِ میرا جی‘‘، مشمولہ: شعر و حکمت، دورِ دوم، کتاب اوّل، (حیدرآباد: ۱۹۸۷ء)، ص: ۲۱

۸۔ **سعید ڈار**، ’’وہ میرا جی نہ تھا‘‘، ادب لطیف، (لاہور: اپریل ۱۹۶۴ء)، ص: ۱۱

۹۔ **جمیل جالبی**، ڈاکٹر، مرتبہ: کلیاتِ میرا جی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء)، ص: ۳۰

۱۰۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، مرتبہ: کلیاتِ میراجی، ص:۳۲

بیاضِ میراجی: عکسی متن

(٢٩)

مراجعة لمجموعة

"حلقة نقاش ٥"

(الخامس)

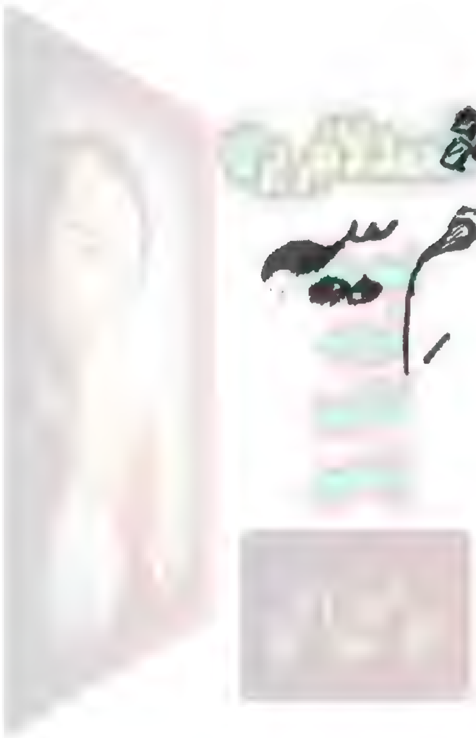

حلقۂ پیہم سیہ

[illegible]

۳

سوال ۔ ✓ ہمایوں

شجرِ ممنوعہ کی ترغیب ۔

شکوہ ۔ ادبی دنیا

طائرِ شب ۔

کیفِ حیات ۔ ✓ ادبی دنیا

گھنا گرم جادو کسی رات کا ۔

محبت کا گیت ۔ ✓ ادبی دنیا

مدھوری بانی ۔

مسافروں کی تلاش ۔

نئی نعت ۔

منتظر ایسے ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں،

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں،

نہر پر ۔ [illegible]

نیرنگِ خیال ۔

حیران دل کی پہیلی

عقلی قوت سے باہر
ہاں، ایک انوکھا منظر

من موہن، پیارا جادو جیسے ساون کے بادل،
جیسے بادل کے آنسو جیسے برکھا کا منگل۔
یا اندر دھنش کی لہریں رنگوں کی پیاری نہریں۔
یا جیسے ہو پَو پھٹتی اور گستاخی سورج کی۔
لیکن سب ایسی باتیں اندھی، انجانی راتیں!
نظروں سے اوجھل، چھپ کر۔ نظروں سے اوجھل، چھپ کر۔

اک دل میں ایسا جذبہ: ہر شئے میری — میری ہے،
میں ہوں اک ایسا نغمہ، جس سے سب کو سیری ہے۔
اس مدھ ماتے نغمے سے نکلیں ہلکے شعلے سے
جیسے بربط کے آنسو جیسے موروں کی "پی ہو"۔

اک دل میں ایسا جذبہ: ہر شئے تیری — تیری ہے،
میں ہوں اک نازک ٹہنی، البیلی، شرماتی سی۔
گھونگھٹ کی ہلکی چلمن، ہے لاج کا میٹھا بندھن،
جب یہ پردہ ہٹ جائے، ٹہنی ٹوٹے، بل کھائے۔

بس، ایسی ہی یہ باتیں، جیسے گیتوں کے گھر میں
گمبھیر صدا کی ماتیں سارنگی کی تھر تھر میں۔
کچھ میٹھے بول، رسیلے دل کو بہلانے والے
کچھ تیکھے بول، کٹیلے دل میں بس جانے والے۔
اور تاروں کی ہر لرزش بے چین ہوا کی کاہش،
روتی، روتی، روتی سی دکھ دردوں میں کھوتی سی۔

ہاں ایسے ہی، ایسے ہی   اک ناچ، اک ناچ، بہاؤ
ہاں ایسے ہی، ایسے ہی   اک دل کا دارُو، گھاؤ۔
ہر حرکت کا اُلجھاؤ   ہر حرکت کا پھیلاؤ
آہستہ سے، دھیرے سے،   آہستہ سے، دھیرے سے
جیسے ہو کہانی غم کی،   جیسے صورت ماتم کی،
جیسے روتے دُکھیا کی   سسکی کی زنجیریں سی
ہچکی آئے تو ٹوٹیں   ہچکی آئے تو ٹوٹیں،
ہاں ویسے ہی، ویسے ہی   ہاں ویسے ہی، ویسے ہی

اک سادہ سادہ، دیوانہ سا راگ۔

خوابوں والی کیفیت
جیسے مندر میں کومل   پائل، بجتی ہو گھنٹی۔
چندا کے اُجیالے ہیں   پیڑوں کی اُلجھی شاخیں۔
نازک ننھی شاخوں کے   کچھ دھندلے دھندلے سائے
پھیلے پھیلے سے سائے   اُلجھے اُلجھے سے سائے۔

ہوا
بکھرے
ہلتا
بکھرے

یا
چھوتے ہیں جیسے ملائم   کالے بالوں کا ریشم۔
یا جیسے آنکھیں دیکھیں   ہو چاندنی پیلی پیلی،
قدموں کے نیچے پھیلی۔
اک نُور کہ بھیدوں والا   کچھ دھولے دھولے دھبّے،
ہاں، اور کچھ مٹیالے سے   نیلے اور مٹ موں سے۔
اک مہکی ہوئی سی گرمی   جیسے جسموں کی سنگت
کچھ راز کی باتیں، خلوت،   دل کی دل سے جنجل تا۔
ہی سے دی

جیسے سونے جنگل میں   کچھ پنچھی مل کر گاتے -
کچھ بے معنی سی باتیں
پھر وصل کی تابانی سی   اک نازک دل کی دھڑکن
اور سازوں کی جھنکاریں -
پھر اک پل کی بے رنگی   یا کیف کی تان سُریلی
اور جذبے ہی کی بلندی -
اک شمع کہ بجھتی بجھتی،   اک تان کہ گھٹتی مٹتی،
اور پھر اک سست انجام،   جیسے ساحل کی جھاگ
اک ہلکا ہلکا جوش،   بیتاب مگر خاموش -
ایسے جیسے مخمور،   مقصد سے کوسوں دور -
اور پھر ان سب سے آخر   اُونچی اُونچی دیواریں،
دیواروں پر مورت کے   جھنڈوں والے پیراہن،
لٹکے لٹکے لہراتے،   ہلکے ہلکے بل کھاتے،
ہاں ایسے ہی، ایسے ہی -   ہاں ایسے ہی، ایسے ہی
اک سادہ سادہ، دیوانہ سا راگ!

۱۱ - ۱۰ - ۳۳ -

عنوان

تحریک

تمہاری تمناؤں

تماشہ

پیتم! میں ہوں پریم مداری   اِک پل میں کھولوں گا پٹاری
ناگ اُس میں سے نکلے گا کالا   (صاف، چمکتا، زہری بھالا)
پریم کے پنچھی کو ڈس لے گا۔
پریم کا پنچھی سہما سہما،   تیرے ہی پہلو میں ہو گا،
اور پھر بین بجاؤں گا میں   ناگ کو ناچ نچاؤں گا میں
ناچ ناچ کر ناگ تھکے گا۔
بازو اُلجھیں گے بالوں میں۔   تیرے گلابی سے گالوں میں
سرخی سفیدی بن جائے گی،   نیند سی اک تجکو آئے گی   تجھ پر چھائے گی۔
اور پھر جذبہ کروٹ لے گا۔
سونی، آدھی رات کے لمحے   یہ ساری باتیں دیکھیں گے،
میں جانوں گا، تو جانے گی،   بھید نہ جانے گا یہ کوئی،
سویا سورج جاگ اُٹھے گا۔

⁂

۳۹ — · — ·

مکرر

نارسائی

رات اندھیری، بن ہے سُونا، کوئی نہیں ہے ساتھ،
پون جھکولے پیڑ ہلائیں، تھر تھر کانپیں پات۔
دل میں ڈر کا تیر چُبھا ہے، سینے پر ہے ہاتھ،
رہ رہ کر سوچوں، یوں کیسے پوری ~~[illegible]~~ ہوگی رات؟

برکھا رُت ہے اور جوانی، لہروں کا طُوفان،
پیتم ہے نادان، میرا دل رسموں سے انجان۔
کوئی نہیں جو بات سمجھائے، کیسے ہوں سامان؟
بھگون! مجھکو راہ دِکھا دے، مجھکو دیدے گیان!

چپو ٹوٹے، ناؤ پُرانی، دُور ہے کھیون ہارا
بیری ہیں ندی کی موجیں اور پیتم اُس پار۔
سُن لے سُن لے دُکھ میں پکارے اک برہی بے چارا
کیسے جاؤں، کیسے پہنچوں، کیسے جتاؤں پیار؟
کیسے اپنے دل سے مٹاؤں برہ اگن کا روگ؟
کیسے سمجھاؤں پریم پہیلی، کیسے کروں سنجوگ؟ [illegible]
بات کی گھڑیاں بیت نہ جائیں، دُور ہے اُس کا دیس،
دُور دیس ہے پیتم کا اور میں بدلے ہوں بھیس۔

۳۱ - ۳ - ۳۷ -

دوہرا

ایک مکالمہ

[illegible]

"میرے کومل ہردے میں یہ بات اُٹھی ہے چُپکے سے،
"آپ ہمارے ہمسائے ہیں، آپ کی سیوا دھرم کا کام"

بیسوا گاہک سے کہتی تھی، سُن لے گیانی، من میں سوچ۔
انگ میں ہے پتھّر کی سختی، انگ میں بید کا میٹھا لوچ۔
انگ سے انگ لگا کر نر ناری بھولیں یہ جگ سارا،
گیان کی بوند کرے گی کیا، جب کام کی بہنے لاگی دھارا؟

"سستے مہنگے پیسے بھی ہیں، سب اچھے ہیں تیرے دام،
"جسم کی پیاس نہ بجھے گی تجھ سے، رات اکٹھے لیٹے سے۔
"میں جب تجھ سے ملنے آیا، سب کہتے تھے من میں سوچ!
"میرا دل تھا اُن کو پتھّر، تیرے آگے بید کا لوچ!
"انگ سے انگ لگا دے، پل میں بھولوں میں جھنجھٹ سارا۔
"کام کی مدھ سے مست بنا دے، تو جیتی اور میں ہارا۔"

۱۹-۸-۴۲-

ملار

بہانۂ بسیار

مانا کہ ہے شب تاریک
اور کالی گھٹا چھائی،
اور گاہے بگاہے اک تارا سا چمکتا ہے،
پردوں سے گھٹاؤں کے
وہ پردے جو ہیں باریک
اور جن میں ہے زیبائی!

مانا کہ ہے شب تاریک،
اور چاند نگاہوں سے
روپوش ہے، کھویا ہے،
ہے دل کی نظر دھندلی،
کیوں چھائی ہے بے نوری؟
ناپاک ارادوں کی اس دل میں جگہ کیوں ہے؟
جو عاقل و دانا تھا ان لمحوں میں مجنوں ہے!
دل ہے کہ یہ پہلو میں انگارہ دہکتا ہے؟

مانا کہ ہے شب تاریک
اور سرد ہواؤں میں
مستی سی ہے اک چھائی،
اور دھندلی فضاؤں میں
اک ایسی ہے رعنائی
جیسے کسی عورت کے مسلے ہوئے پیراہن!

ناپاک ارادوں کا کیوں آج ہے دل مسکن؟

ملال

تنہائی ہے، تنہائی، اور تلخ اُداسی ہے،
یہ چشم بھی پیاسا ہے اور رُوح بھی پیاسی ہے!

پھر کیسی یہ لغزش ہے؟ پھر کیوں میں جھجکتا ہوں؟
مانا کہ ہے شب تاریک،
خطرے بھی ہیں پوشیدہ،
پر میں ہوں جہاں دیدہ!
ہاں، کیسی یہ لغزش ہے؟ ہاں، کیوں میں لرزتا ہوں؟

افعال کو حرکت دوں سرگرمِ عمل ہو کر،
ناپاک ارادوں کو، میں بانگِ دہل ہو کر،
شہرت سے ملا ڈالوں۔

ناپاک ارادے تو فطرت ہی نے لکھے ہیں!
دنیا کو سُنا ڈالوں،
گہرائی میں جو دل کی کچھ سوئے سے نغمے ہیں:

⁂

۳-۷-۴۳-

داراب

احساسِ ناکامی

یہ پوجا میری تباہی کا سامان مہیا کر دے گی،
میری جھولی کو سوکھی کلیوں اور پھولوں سے بھر دے گی۔
یہ مجھ بے کس کو دریا کے اس پار تو کب پہنچائیگی
البتہ میری کشتی کو موجوں کے حوالے کر دے گی۔
میں اپنے دل کے جذبے کو دل ہی میں لئے سو جاؤنگا
یہ ڈھلتی رات جدائی کی آنکھوں کو نیند سے بھر دے گی۔
وہ ایک دعا جو مانگی تھی اس دل نے تجھ سے ملنے کی
کب پوری ہو کر لوٹیگی؟ کب آ کر مجھکو خبر دے گی!
یہ اندھی جدائی کے لمحے روتے روتے سو جائیں گے،
پھر میں اور میری قسمت دونوں سپنوں میں کھو جائیں گے۔

---

۱۸ - ۱۰ - ۳۴ -

[illegible]

دعوت نامہ

آؤ آج بتاؤں میں دِل کی گہرائی کا راز -
آؤ آج سُناؤں میں ایک اچھوتا نغمۂ ساز -
آؤ مندر میں آؤ
میرے اِس من مندر میں -
ننّھا موتی بن جاؤ
دل کے سُونے ساگر میں -
آؤ، ساگر میں دیکھو لہروں کی ہر کروٹ میں
اپنا چہرہ - اپنا نام سُن لو ہر اک آہٹ میں -
کب سے تنہا بیٹھا ہوں،
آؤ، اب آ بھی جاؤ -
تُم بن چُپکا چُپکا ہوں
آؤ دو باتیں کر لو -
آؤ چُپکے سے سُن لو ہچکی کھاتے نغموں میں،
اپنا ننّھا، پیارا نام، میرے دل کے گیتوں میں -

* * *

۱ - ۱۱ - ۳۴ -

بلراج

خود نفسی

جوانی میں ساتھی ہے جو اضطراب ،
نہیں کوئی اس کا علاج ،
مگر ایک عورت ۔

کھلے جب نہ مجھ پر وسیلوں کا باب ،
ملے جب نہ چاہت کا تاج ،
تو پھر کیا کروں میں ؟

مگر کیوں سہارا رہے غیر کا ؟
کہ تسکیں کو جب ڈھونڈ لے ،
میرا دل خودی میں ۔

خیالوں میں تسکیں کو ڈھونڈا گیا ،
تصور کے پر جا ملے ،
جنوں کی فضا سے ۔

تخیل میں خلوت کی دلچسپیاں
نہ اس دل کے کام آسکیں ،
نہ ان سے ہوا کچھ ۔

وہ بے نام ، بے رنگ سی گڑھیاں ،
خیالوں میں آئیں ، گئیں ،
نہ آیا سکوں ہی ۔

(دوسری طرف)

عزم

میں اب کھیل کھیلوں گا ایسا کوئی،
کہ دل میں سکوں آ بسے،
(گناہوں میں کیا ہے!)

میں دیکھوں گا اب اپنی قوت سے ہی
وہ منظر جو ہیں رات کے،
وہ نشّوں کے جمگھٹ!

---

۱۰ - ۱۱ - ۳۴ -

بڑے

دو نقشے

۱- جوانی (عورت)

دیکھو دیکھو، کیا ہوا،
دل سے دل ملا ہوا —— زور سے دھڑک اٹھا، شعلہ اک بھڑک اٹھا،
شعلہ بجھ نہ جائیگا؟
اور بجھ گیا، تو پھر خاک لطف آئیگا!
آہ! بجھ گیا تو پھر؟!

اب تو مان جائیے، اب نہ یوں ستائیے،
ہاتھ جوڑتی ہوں میں، پاؤں چھوتی ہوں میں،
ہائے اب تو چھوڑ دو، بس ہنسی رہے نہیں! —— دیکھو، دیکھنا! کہیں،
چوڑیاں نہ توڑ دو۔

۲- بڑھاپا (مرد)

اب تو اور بات ہے اور ہی تو بیت ہے،
اور ہی تو گیت ہے، اور ہی تو رات ہے!

اور کیسے جانیئے؟
اور کیسے مانیئے؟

حوصلہ کہاں سے لائیں؟
ولولہ کہاں سے لائیں؟

* * *

۱-۱۲-۳۴-

گیت

چنچل

کبھی آپ ہنسے، کبھی نین ہنسیں، کبھی نین کے بیچ ہنسے کجرا
کبھی سارا سُندر انگ ہنسے، کبھی انگ اُمڈ کے ہنسدے گجرا۔
یہ سندرتا ہے یا کوتا، میٹھی مستی لائے،
اس روپ کے ہنستے ساگر میں ڈگ مگ ڈولے من کا بجرا۔

یہ موہن مدمتوالی ہے، یہ مے خانے کی چنچل ہے،
یہ روپ لٹاتی ہے سب میں پر آدھے منہ پر آنچل ہے۔
کیا ناز انوکھے اور نئے سیکھے اندر کی پریوں سے؟
یہ ڈھنگ منوہر اور زہری شوخی سجھے ساگر کی پریوں سے؟
پہلے سپنے میں آتی ہے، پازیبوں کی جھنکاروں میں
آوارہ کر کے چین میرا، چھپ جاتی ہے سیّاروں میں۔

* * *

نیرنگِ خیال

کسی کے بدن کو لجانے کی آشا
میرے دل کے جھولے میں سوئی ہوئی تھی۔
تڑپ کر اُٹھی ہے وہ، ہلنے لگا ہے
میرے دل کا جھولا، میرے دل کا جھولا۔
وہ جب تک خموشی میں کھوئی ہوئی تھی
نہ بے چین تھی وہ، نہ بے چین جھولا۔
کسی کے بدن کو لجانے کی آشا تڑپ کر اُٹھی اُس نے آنکھوں کو کھولا،
مگر وہ بدن ہی نہیں پاس میرے، ہے بے چین دل، یعنی آشا کا جھولا۔

میرا دل محبت کا پیاسا ہے لیکن محبت ہے جس کی وہ ہے دور مجھ سے،
اگر پاس ہوتی تو بے اعتنائی ہم آہنگ فطرت سے اُس کی ہوئی ہے،
میرے دل کی آشا ہے نادان، بھولی، یہ کیوں اپنے بستر پہ جاگی ہوئی ہے؟
ہے بے چین آشا میرے دل کے اندر
مگر بند ہے آہ! دیوی کا مندر
نہیں کوئی دارو میرے دل کے دُکھ کا،
مجھے کیسے حاصل ہو آکاش سُکھ کا؟

چلوں میں، چلوں میں، کہیں تیرہ و تار رستوں پہ چل دوں،
(محبت کی توہین ہوگی) جو دل میں دبا ہے اُگل دوں۔
مگر ایسے تسکین کو پائے گا دل بھی؟
تقاضا یہ ہے میرے دل کا کہ کلیوں میں نکہت چھپی ہے
اُسے راحتِ جاں بناؤں۔
مگر یہ نہیں بات بس کی؟

ملار

میں پھولوں کے رس کی
انوکھی، اندھیری گلی میں چلوں گا ۔
کسی کے بدن کو لجانے کی آشا تڑپ کر اُٹھی تھی،
مگر ہاں، شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہوگا
کہ چہرے کو چھوتا ہے دیوی کا دامن،
کہ ہے وہ گناہوں کے مندر کی بے بس پجارن کا آنچل !
جو دیوی کے ننھے کنول تھے،
وہ ہوں گے یہاں گرچہ پتے کنول کے،
اور افسوس! ننھی کلی بھی
شگفتہ مسارک پھول ہو گی،
اور اُس پیرہن کی لطافت
یہاں بن گئی ہو گی خواہش کے انجان تیروں کا مسکن،
مگر ہاں، شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہو گا ۔

اگر یوں چلوں میں
اندھیری گلی میں
تو دیوی کا دامن
ہمیشہ میری دسترس میں نہ آئے گا، لیکن
شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہوگا ۔

* * *

۲-۱-۳۵-

مارس

برکھا

سیمابی اور عنابی چیتے ہیں اندھیری راتوں کے
جیسے منتر ہوں جنگل کے جادوگر کی باتوں کے
یا ساون کی کالی گھٹاؤں کی تیکھی برساتوں کے
دِل پر چھانے والے نغمے، بے ہوشی لانے والے۔

ایسی راتیں، چندا گھونگھٹ کاڑھے چپکے سوئے ہیں
اور گنتی کے چند ستارے نیند میں کھوئے کھوئے ہیں
پیڑ اور پتے، ٹہنی ٹہنی تاریکی میں دھوئے ہیں
دل کو ڈرانے والے سائے، دل کو دہلانے والے۔

سائے، کالے کالے سائے رینگ رینگ کر چلتے ہیں،
اور اِن کالے سایوں سے بھوتوں کے جھنڈ ابلتے ہیں،
دل میں اندھے، بے بس، بے پایاں جذبات مچلتے ہیں
گیت بنانے والے، نغمے چاہت کے گانے والے۔

* * *

۵-۱-۳۵-

ملار

ایک گیت

آہ! اگر میں اب جا پہنچا کلکتے کی بستی میں
پھر دیکھوں گا پہلے جوشِ جنوں کو اپنی ہستی میں
اور پکار اٹھوں گا سانولے رنگ روپ کی مستی میں

آہ یہیں ہیں، آہ یہیں ہیں دیوانہ کرنے والے۔

اور پھر جاؤں گا ہگلی کے جوش میں اندھے کنارے پر
ناامیدی کی دیوی کے اک مبہم سے اشارے پر
یوں چلّا کے بہا دوں گا اپنی ہستی کو دھارے پر

آہ یہیں ہیں، آہ یہیں! بے باکانہ مرنے والے۔

-۳۵ -۱ -۵

بے تکلف عریانی، بے حجاب جنسیت

بے تکلف عریانی، بے حجاب جنسیت،
زندگی کے ساتھی ہوں، زندگی بنے راحت!
پہلے، جھوٹے اور نربل بندھن ٹوٹ ہی جائیں،
سچے اور نئے، بیباک لمحے جیون میں آئیں!
پہلے جو بہانے تھے بزدلی کی باتوں کے،
اب وہ سب فسانے ہوں بیتی، بھولی راتوں کے!
بدلا وقت، دل بدلے، بدلی ساری دنیا ہی،
ہاں، بدل ہی جائیں گے، عہدِ نو میں ہیں ہم بھی!
ماضی کے جذبے کیسے زینت ہوں مستقبل کی؟
دل میں اپنے جذبے ہیں، ہم ہیں رونق محفل کی!

* * *

۲۲ - ۶ - ۳۵-

[illegible]

پہلی عورت

تُم نے مجھے قوّت دے دی ہے،
تم نے مجھے ہمّت دے دی ہے اس دُنیا میں جینے کی۔
اس لمحے سے پہلے میری زِیست سفیدی تھی، بے داغ۔
تُم ہو پہلا نشاں، تم زینت میرے دل کے نگینے کی۔
تم نے کم کی ہے، ہاں تم نے، خونیں اذیّت سینے کی۔
تم نے مجھے دے دی ہے طبیعت پریم کی مے کے پینے کی۔
اِس لمحے سے ہے آغاز
ہر لمحے میں نیا اِک راز جانوں گا۔

دنیا کالی کالی، اندھیری، میرے لئے تھی اِک پاتال۔
اب دیکھوں گا، اب دیکھوں گا رنگ برنگا حُسن کا باغ۔
اب دوڑیں گے اِک وسعت میں بے بس اور کمزور خیال۔
اب ہوگی میری پرواز!
اور میں انوکھے وحشی ساز سُن لوں گا۔

(دوسری طرف)

۲/

ماں

تُم نے دیا ہے جوشِ جنوں اور تُم نے دکھائی وہ بستی،
حاصلِ عُمر ہے جو دنیا میں، جس میں حاصل ہے مستی،
مستی، جس کے ہونے ہی سے ہستی ہے کاملِ ہستی!
تُم ہو، تُم ہو، ہاں ہاں تُم ہو، تُم ہو میرے رستے کا چراغ!

تُم نے دکھائے چاند ستارے، تُم نے دکھایا ہے آکاس،
تُم نے دکھائے منظر پیارے، تُم نے موہن، اشت لباس!
تُم نے مجھے دے دی ہے ترقی،
تُم نے صلاحیت دی مجھ کو اس دنیا میں جینے کی!
تُم نے مجھے ہمت دے دی ہے پرتم کی مے کے پینے کی!

* * *

-۳۵ -۱ -۲۵

میرا جی

خلوت

لرزاں، رقصاں چیزوں کی   سیمابی فطرت کا ناچ   دیکھو گے؟
رات کے سُونے لمحوں کی   اک فانی راحت کا ناچ   دیکھو گے؟
لیکن سُن لو، جنسی ناگ   زہری ہے!
اور میٹھی باتوں کا راگ   تلخی ہے!
آخر کو پچھتاؤ گے —،
رو رو کر سو جاؤ گے!

مست، منوہر، متوالا،   میٹھا، من کو بھاتا گیت   گاؤ گے؟
بے بس، ننھی یادوں سے   ہر شئے جی سے بھلاتا گیت   گاؤ گے؟
لیکن سمجھو! ایسی بات   غلطی ہے!
سُندر، سُکھ سیجوں کی رات   دُکھ کی ہے!
خاک مزا اس میں پاؤ گے،
رو رو کر سو جاؤ گے!

درد، اذیت ساتھی ہیں   ایسے پہلے لمحوں میں   عورت کے، جو پیہم ہے!
ایسی راتیں لاتی ہیں   آنسو! ایسے گیتوں میں   راحت کا ظالم زخم ہے!
دُکھ دے کر سُکھ پاؤ گے،
اور جی میں شرماؤ گے!

⁂

۲۵ - ۱ - ۳۵

شجرِ ممنوعہ کی ترغیب

آرزو، احساس جب شدّت پہ ہوں
اک اشارہ چاہیئے،
تجھ سے ملنے کے لئے!
ایک لفظ!
"آؤ" ——
"آؤ"
ایک لفظ!
جس کے جادو سے مری بن جائے تُو!

اِک اِشارے کی ضرورت ہے مرے دِل کو، مگر
آسماں پر ہیں ستارے بے حساب!
یہ —— مرے دل کا رباب ——
ایک لفظِ مختصر کا نغمۂ جادو اثر
چھیڑ سکتا ہی نہیں!
کون سا اِس آسماں سے میں ستارہ توڑ کر
تیرے کانوں کی اُسے زِینت بناؤں!

بارہا موقعے ملے
آہ! لیکن بے بسی
مجھکو کچھ کرنے نہیں دیتی کبھی،
اپنے دل پر ہو نہیں سکتا مجھے کچھ اعتبار!
کیوں نہیں اک لفظ (بے معنی سہی)
تجھ سے میں کہتا کبھی!

آ ـــــ من و تُو کا تقاضا چھوڑ کر
ایک ہو جائیں، کہ پھر
تجھ سے کچھ کہنے کی اِس دل کو ضرورت ہی نہ ہو!

اِتّصال

ابتدائی گیت ہے اِس اشتہا کا جِس سے یہ دنیائے دُوں،
آج باقی ہے! ـــ بہ ایں حُسنِ دواں!
پیشتر اس کے کہ ہم ظاہر کریں
تیرے اور میرے خیال
آ، ـــ کہ ہو کر سرنگوں،
آج ـــ
ہم اُس قدرتِ عاقل کو دیں اپنا خراج!

* * *

۲۷ - ۱ - ۳۵ -

مدراس

ایک گیت

کوئی نہ جانے، کوئی نہ جانے میرے دل کا حال،
جینا ہے جنجال مجھے، اب جینا ہے جنجال۔
سانولی، سندر، مشفق، مانوس تیکھے ترچھے نین
چال رسیلی، دل گرماتی اور گھٹا سے بال۔
راگ رنگ کا جھولا جھولے سکھیا سب سنسار
میرے دل کو دکھ ہیں بھاری دور ہے دکھ کی ڈھال۔
میٹھے میٹھے، من کو بھاتے سب کی سیج کے گیت
لیکن میرا جیون راگ انوکھا، بے سُر تال۔
دل کی بات نہ ہوگی پوری بندھن لاکھ ہزار،
کب چھوٹوں گا، کب ٹوٹیں گے یہ مایا کے جال؟

* * *

۲۷-۱-۳۵

ایک کلی اور اُس کے مالی

جب آئی سرمست جوانی
جیون تھا پُرکیف کہانی،
نیکی اور بدی کے جذبے
دونوں میرے دل میں جاگے،
دونوں جوشیلے، متوالے
ناداں دل کو لبھانے والے،
لیکن بات ہے سب نے مانی
سُندر، میٹھی، پاپ کی بانی۔
ان دونوں ان مٹ جذبوں نے
اُلجھن کے سو بندھن ڈالے،
گئی بھول گئے نیکی کی بستی
دل پر چھائی پاپ کی مستی۔

جب اُجیالی راتیں آئیں
موہن، میٹھی باتیں آئیں،
چندا آئے، آئے تارے
آئے منظر پیارے پیارے،
جھجکتے اور شرماتے لمحے،
آئے، مستی لاتے لمحے،
آئے دل پر چھاتے جذبے
اور بے ہوش بناتے جذبے،
آہ! اچانک چمکی بجلی
میں سُونے آنگن میں پہنچی،
سب نظروں سے بچتے بچاتے
چلتے چلتے، رُکتے جاتے،
پاؤں کے زیور کھول کے میں نے
ہاتھوں میں ہی تھامے ہوئے تھے،
پھر وہ آئے، پریتم آئے،
گاتے ہوئے، متبسّم آئے۔
اُن پنہاں لمحوں کی راحت
لرزاں
اُن رقصاں گیتوں کی راحت
چھائی، چھائی میرے دل پر،
میں پہنچی اپنی منزل پر۔
دو انمول اور بھولی روحیں
دو انجان، اچھوتی روحیں،
اِک بلوان اور ایک سجیلی،
اِک بیباک اور اِک شرمیلی،
اُن مستی والے لمحوں میں،
ایک ہوئیں میٹھے گیتوں میں،

کام گھٹائیں ہر سو چھائیں
اک طوفان آیا جھنجلاتا
اُن کومل، بے بس لمحوں کا
دو روحوں پر گھیرا ڈالا، روحوں
طاقت جیسے بگولے کی ہو،
ہم تنکے تھے، ہم تھے ڈالی،
رس کی بھیگی مستی چھائی،
کام کا سندر مندر اپنا، کا
اک میٹھا احساس مرا تھا،
پیتم کی پیاری سرگوشی
آنندوں کا جھرمٹ آیا،
سانسوں نے طوفان سے سیکھا
پریم کی مدھ نے ڈالے گھیرے،
میٹھا، سیتل گیت سنایا،
گالوں پر اک سرخی چھائی،
تلخ اور تیز انوکھا جذبہ
دل میرا لہرا کر بولا:

پریم کی وحشی موجیں آئیں
ہر شے پل میں دور بہاتا۔
ساتھی، وقت یہ منہ سے بولا:
یہ طوفان ہے اندھا، کالا!
زور میں آئے جھولے کی ہو؛
پریتم کلی اور اس کا مالی!
ہوش گیا، مدہوشی آئی۔
پریم کا گہرا ساگر اپنا،
اور پیتم کا پاس میرا تھا۔
آنکھ جھپکتے میں لے ڈوبی،
لاج کا بیری گھونگھٹ اترا۔
تند اور تیز انوکھا نغمہ۔
اس نے میرے بال بکھیرے۔
دل کو اپنے دل سے لگایا۔
اور ہونٹوں سے پیاس بجھائی،
اس کی آنکھوں سے ظاہر تھا۔
تیرا میرا پریم ہے سچا۔

مست اور چنچل، کھوئی کھوئی
ختم ہوا میٹھا افسانہ۔
اور آنکھوں کے پیغاموں کا
بار میری آنکھوں کو دکھایا۔

مستی آنکھوں میں آ سوئی۔
پریم کی متوالی حرکت کا،
پیتم نے میٹھے ناموں کا
اور مجھے سرمست بنایا۔

پھول انوکھے، میٹھے میٹھے،
اور چمکے آکاش پہ تارے،
جب اُس نے پھسلاتے بولوں میں
میرے روپ کے نغمے گائے،
زور انوکھا مستی کا تھا،
خوشبوؤں کی پوری عمر ہوئی
رات کٹی ایسے سپنوں میں،

اور جب صبح کی دیوی آئی،
کرنوں کا اک جال انوکھا
لیکن میرا پہلو سونا،
بیتے سال کی بیت جانی
میں نے لاکھوں داؤ کھیلے،
لیکن لوگوں نے سمجھایا
اب ہے کام مرا، کیا بولوں؟

پھول نہیں جب کلیاں کھل کر،
کوئی نہ پرکھے اس جوہر کو
جیون ایسے دھیرے دھیرے
ہم تنکے ہیں، ہم ہیں ڈالی

دونوں کے ہونٹوں پر ناچے۔
چندا ہو گئے اور اُجیالے!
دل کو گرماتے بولوں میں
نغمے دل میں جوش کو لائے۔
پیراں کا دان اُنہیں دے ڈالا۔
میرے کومل دل پر چھائی۔
سکھ کے متوالے گیتوں میں۔

چونک کے اپنی سیج پہ جاگی،
کرسوں نا کی گڑھی سے چھایا۔
اور میں اکیلی، چپکی، تنہا۔
نرناری کے پھیر کی بانی۔
درد کے تیر بھی دل پر جھیلے،
اب ہے جگ میں سکھ صدیوں کا؟!
~~بھید کو بھید کو بھید بھلوں~~
بھید کو بھید رکھوں، کیوں کھولوں؟
~~[illegible]~~ من جاتیں بازار کے جوہر۔
دیکھے، ٹھہرے، چل دے گھر کو۔
ہلکی چال سے چلتا جائے۔
پریم کلی اور اس کے مالی!

۲۹-۱-۳۵

ملار

تحریک

تمہاری تمنّا کا ہے میرے دل میں بسیرا،
اسی آگ میں جل رہا ہوں۔
اگر آؤ
رسموں کا اور لاج کا جھلملاتا سا گھونگھٹ اٹھاؤ،
تو دیکھو گی، جانو گی پل میں
تمہارے لباسوں کے، زلفوں کے اور جسم کی خلوتوں کے ہی نشّے میں
سرشار رہنا میرے دل کی گہرائی کا بھید ہو گا۔

تمہاری ان آنکھوں کا کاجل،
تمہاری نگاہوں کی مستی
یہی کہہ رہی ہے:
میرے بانکے پریمی! انوکھے کنہیا! رسیلے بہاری!
میری یہ تمنّا ہے آغوش میں آ ہی جاؤں تمہاری۔
مگر کب تمہاری محبت کی رنگیں سواری،
میرے آنچلوں کے، تمنّا سے بے تاب در پر،
جھجک اور دوری کے رستے کو پیچھے ہٹا کر،
بتاؤ کہ ٹھہرے گی آ کر؟

مگر میں جو یوں سن رہا ہوں،
تمہاری ان آنکھوں کے کاجل، تمہاری نگاہوں کی مستی کی باتیں،
اگر چپ رہا تو مقاصد کی منزل
مجھے کب ملے گی؟!

ہاں
اگر میں نے ہوش کے لمحوں میں جرأت کو دل سے بھلایا،
یونہی زندگی بھر میری روح سوکھی تمنا کے آتشکدے میں جلے گی۔

تو لو، اب ذرا تم بھی محتاط رہنا،
کہ آتا ہے دیوانہ جوشِ جنوں میں
محبت کے نغمے سناتا!
جھجک اور شرم و حیا کے جو ہیں ساز ان سب کے تاروں کو جھنجلا کے پل میں
روپہلی، سنہری عجب بے خودی میں
یونہی ناچتا ناچتا، گاتا گاتا۔

بنوں گا تمہاری گھٹاؤں کا، زلفوں کا مہماں،
تمہارے خیالوں کی خلوت کے گہرے سکوں کو مٹا کر
میں اب جسم کے ایسے تاروں کو چھیڑوں گا، جن سے
فضا میں پریشان و آوارہ ہوں گے وہ نغمے
چھپے ہیں بہت دور جو دسترس سے۔

* * *

۱ - ۲ - ۳۵ -

خوابوں کا جھولا

پہلے پرانی رسمیں کر کے
گیت اٹھا میری شادی کا

تعبیروں کو بس میں کر کے
اور دنیا کی آبادی کا۔

پھر سیریں سونے جنگل کی،
سیدھے سادے بھولے بھالے
اور پھر پریم کتھا کی باتیں،
پریوں کی انمول کہانی،
نرم، اچھوتے تیرے جذبے
لرزاں رقصاں ڈرتے نغمے
پریم کی اچھی اچھی باتیں
گیت رسیلے مدھ متوالے
جھلمل جھلمل کرتے، چمکتے،
دو ناداں روحوں کی نیکی
یکجائی بھی، اور یک رنگی،
موسیقی بھی، خوشبوئیں بھی،
اور کچھ لمحے تیری باتیں،
تیری باتیں زہرہ، سنبل!
رنگیں ساری باتیں کر کے،
سیجوں کی میٹھی تیاری،
کام کی باتیں، رات کی باتیں
لمبے، ڈھیلے ڈھالے دامن،

پریم کے متوالے منڈل کی۔
کھیل انوکھے ناداں کے،
بادل اور برکھا کی باتیں۔
رنگ برنگی اور سہانی،
تند اور وحشی میرے جذبے!
گرتے اور ابھرتے نغمے!
تھرکتی، چھلکتی، میٹھی باتیں۔
اور مدہوش بنانے والے۔
اور دل کو گرمانے والے۔
اور جنسی لمحوں کی نیکی۔
دو ذہنوں کی ہم آہنگی۔
نرم، چمکتی سی سیجیں بھی۔
پھر کچھ لمحے میری باتیں۔
میری باتیں نغمہ، بلبل۔ کوئل
دل کو تازگیوں سے بھر کے،
اور ہلکے سپنوں کی سواری۔
ایک انوکھی بات کی باتیں۔
موہن سنگاروں کا جوبن۔

تیرا بیتم سن کر کہنا:۔
(میرا، رودھتی میں پہناؤ)

”دل کی گرمی کے، خلوت کے، اے ساتھی میری چاہت کے!
” دل کی اُبلتی سی خوشیوں میں، اچھی اچھی اُمیدوں میں،
”میری روح کے نور، اُجالے! میرے انگ سے انگ لگا لے!“

میرا پریتم بن کر کہنا:-
(تیرا تھرکتے، سُنتے رہنا!)

”تو ہے میرے دل کی رانی، میرے ذہن کی پاک نشانی!
” دُور ہوئے دُکھ درد، اندھیرا، کچھ بھی نہیں اب تیرا میرا۔
”تیرا جسم مری دولت ہے! میرا جسم تری دولت ہے!
”پاک ہوئے ہیں، نیک ہوئے ہیں، اب ہم دونوں ایک ہوئے ہیں۔
”میلے ڈھیلے ڈھالے دامن، دُور ہوئے جسموں کے بندھن!
”آؤ جگ کو جی سے بھلائیں، اور اِشور کی اُستت گائیں!“

*

یہ کیا؟ یہ کیا! یہ سب سپنا!
بُھولا! بُھولا! میں — دُکھ بپتا!

۵ - ۲ - ۳۵ -

ملار

اے چیتے!

نرم رَو! اے گرم خون والے!
شکار
تیرا جنگل میں نہیں آیا ابھی!
انتظار،
ایک لمحے انتظار!
آئے گا،
اُس کا حکمِ مرگ اُس کو لائے گا،
اور تیرا کام یوں بن جائے گا!
دیکھ سُونی جھاڑیوں میں سے سنبھل کر چل، کہیں
سُن کے چوکنّا نہ ہو جائے، ترا بے بس شکار!
(میں ہوں تیرا غم گسار!)

ناگنی!
سنہری
کیوں نہیں اب تک بکی؟
بیچ کر بازار میں حُسن و محبت کی بہار،
تیری عمرِ مختصر کو ہے قرار!
انتظار،
ایک لمحے انتظار!
آئے گا،
جنس کا جذبہ اسے یاں لائیگا،
اور تیرا کام یُوں بن جائیگا۔

دیکھنا!
موہنی زیبائشیں، دلکش سنگار،
تیرے جسمِ پُر خطر کے ساتھ ہوں،
ورنہ احمق دل شکستہ جائیگا،
بے خودی کا لطف اُسے خاک آئیگا؟
(میں ہوں تیرا غم گسار!)

اے اکیلے اور تنہائی کے دلدادہ!
تیری
عمر بے لذت کٹی!
آج تک
تُو نے دیکھے ہی نہیں عیش و نشاط!..
آئے گی،
آج تیری عمر میں بھی آئے گی سیجوں کی رات!
اور قسمت کا گلہ ہوگی تجھے بھولی سی بات!
دیکھ، چشمِ تر کو خواب آگیں نہ کر،
ورنہ لمحہ عیش کا کھو جائیگا؛
اور تُو اِس قصرِ خلوت میں یونہی گھبرائے گا!
(میں ہوں تیرا غم گسار!)

۷-۲-۳۵-

△

ماری
جوانی کے گھاؤ

لال سی ندّی، لال سی ندّی،
ہلکی، بہتی، گرمی والی خاموشی سی؛
سویا سوتا جاگا پُھوٹا،
رِستا رِستا گھر سے نِکلا،
بہتا بہتا وحشت بنتا،
اور تصوّر پر چھا جاتا!

روئی جیسے سوکھے کپڑے
چاند کے ایسے صاف چمکتے،
کِس نے بِن کے بھید بتائے؟
سب نے دیکھی لیکن دل میں
رات کی ہر اک بات چھپائی!

میٹھی باتیں، نرم نگاہیں،
اور وفا کے گہرے بندھن،
اور جیون کی اٹل محتاجی،
سب نے جوانی کی تلخی بھی شیریں کر دی!

لیکن جنّت کا پھل کھا کر،
زخموں کی بیکار اذیّت
قدرت نے عورت کی قسمت میں کیوں لکھی؟

۲۵-۲-۳۵

ملار

چیستانے

کسی ہوئی تھی کمان،
چھوڑ دیا میں نے بان۔
پھوٹ گئی جب کلی
ٹوٹ گیا اُس کا مان۔
شرم لاج اُٹھ گئی
پیکے، دیکھے رنگ دان۔

تھم گئے ندی سے نین،
آیا پھر سے من میں چین
دل سے بوجھ اُتر گیا
کہہ کے، سُن کے میٹھے بین۔
تارے ماند ہو گئے
یونہی بیتی ساری رین

کالی گھٹا، کالے کیس
دیکھے، دیکھا نیا دیس۔
رس کی بھری اندھی پیتے
کر کے بیٹھی اور بھیس۔
اُس کی پُوجا میں نے کی
جو مجھے نوائے سیس۔

- ۳ ۵ - ۱۸

[illegible]

[illegible]

اے ریاکارو!

اندازِ نظر کی اُلجھن کو تُم شرم و حیا کیوں کہتے ہو؟
جنسی چاہت کی برکت کو ملعونِ خُدا کیوں کہتے ہو؟
فعلوں کے نشے میں بہتے ہو جب آشنائیں اُکساتی ہیں،
اور بن جاتے ہو تنگ نظر، لفظوں کی جو بحثیں آتی ہیں۔
حیوان ترقّی کر کے ہی انسان بنا ہے، سوچو تو!
یزداں تنزّل کی حالت میں انسان ہے، کیوں سمجھے ہو؟
ذہنی رفعت پر بھولے ہو، ذہنی رفعت اِک دھوکا ہے،
ہے جسم کی ہر اک رگ میں خُوں، خُوں میں حرکت، یہ دھندا ہے!
اک دامِ جہالت پھیلا ہے، کیوں اس میں اٹکے ہو؟ اب نکلو!
جب وقت کی حد پوری ہوگی تب وقت نہ ہوگا، اب سمجھو!
تہذیب و تمدّن کے جھوٹے رنگوں پہ نہ جاؤ، مت بھولو،
نقصان بہانے میں لاکھوں پوشیدہ ہیں، اِتنا جانو!
دو رنگی چھوڑو دو رنگی، یک رنگ اصولوں پر چل کر،
یہ دنیا جنّت بن جائیگی سچّی باتوں میں ڈھل کر!

* * *

۱ - ۷ - ۴۵ -

مارس

تأثر

سینے کے مندر کی چوٹی پر ہیں کبوتر بیٹھے،
ہاتھ بڑھانے سے اُڑ جائیں، (انہیں چپکے چُپکے)
شرم و حیا سے، چنچل تا سے مندر جھجکے، سمٹے،
دل مچلے اور نظریں پھسلیں، اُلجھ جائیں جذبے!

ننّھا میداں، دو ٹیلے، ٹیلوں میں امرت وادی،
اور تمنّاؤں میں جلتے ہونٹ ہیں میرے پیاسے!
اندر سبھا کی پریاں بھولی، بھولے پورب باسی،
دیو نگر کا رُوپ مری آنکھوں میں جھلکیں مارے!
اس مرمر کو، اور کنول کو اک بھیگی مستی میں،
ہلکے ہلکے، اور تیزی سے، ہاتھ مرا سہلائے!

⁂

لیکن دُور ہی دُور سے کیسے ہوتی رہے یہ پُوجا؟
لیکن کیسے تسکیں پائیں جذبے، دیکھے دیکھے؟

۲۹ - ۴ - ۳۵ -

گیت

مدھوری بانی

آؤ، اپنے بانی، وحشی تخیّل کی
دھندلے، اندھے نغموں میں
سُن لو کہانی راتوں کی۔
خلوت میں پھیلی تھی ہلکی ہلکی خوشبو صندل کی،
بوجھل، رقصاں جھونکوں میں،
بہتی تھی — بہتی جاتی تھی ندّی میٹھی باتوں کی!
شرم، جھجک تھے کھوئے ستارے وسعت کے
سازِ دل میں تار ہلے تھے رغبت کے،
خاموشی تھی، باتیں تھیں، پھر خاموشی تھی، پھر باتیں!
ننھے ننھے، میٹھے میٹھے لفظوں کی دل کو سہلاتی برساتیں!
شیریں رنگ تھا بستر کا!
آہ! اچانک سویا نغمہ اُٹھا، بھڑکتا، جھنجلاتا!
اُونچی، تیکھی، دِل میں چبھتی، پار ہوئی جاتی تانیں!
سازِ دِل کے قابو سے باہر نکلی جاتی تانیں!
وقت مصوّر تھا — اک پل میں رنگ ہی بدلا منظر کا؛
جیسے سینہ چیرے لاوا اُونچے، ضدّی پربت کا،
(اُس کے دل پر نقشہ چھائے حرکت کا)
اَور دامن کی وادی کا نقشہ بدلے،
میں نے دیکھا کلیاں پھول بنیں ویسے!

* * *

-۳۵ - ۵- ۱۹

دوراں

ایک شکاری ایک شکار

اپنی گپھا میں جب پہنچا،
سورج کا زرّیں چیتا،
تاریکی نے دھرتی کی
کالی گھٹا سی چولی سی!
تب آکاش کے جنگل میں،
اونچے، نیلے منڈل میں
آیا جھرمٹ تاروں کا،
دس لاکھ سواروں کا،
کرنوں کے بھالے لے کر،
بادل کے گھوڑے لے کر!
آیا چاند شکاری بھی،
جگمگ جوت سواری کی!
دیکھا کوئل بول اُٹھی:
"کوکو — جاگو سب پنچھی!"
"آئے ظالم راتوں کے!"
پھندے موہن باتوں کے
پریمی پیتم نے ڈالے۔
سوتے تھے سونے والے!
لیکن اس تنہائی میں،
فطرت کی گہرائی میں
جاگا نغمہ وحشی سا:
مست، منوہر پریمی کا!
پیتم بھولا پنچھی تھی!
سب دنیا کب دیکھی تھی! جگ کی ریت نہ
جال انوکھا پریمی کا
پھیلا، پل میں پھانس لیا!
رات گئی، بیتی، بھولی!
پیتم جھولے میں جھولی!
چاند شکاری گھر پہنچا،
لیکن پھندا کب ٹوٹا!

⁂

-۳۵-۶-۵

[illegible]

اکیلی رات کی واردات

کیمیائی پیامبر آئے،
خون کی لہر لہر جاگ اٹھی!
جاگ اٹھا نفس کا ہر ایک خیال،
سوئی تھی زندگی، ہوئی بیدار!

آرزو تھی نہ اب سحر آئے،
تم ہو، میں ہوں، یونہی تمنا کی
شب کو تسکیں کریں شباب و جمال!
اور حاصل ہو زندگی کی بہار!

لیکن افسوس! عیش کی راتیں،
خواب کی ہیں، خیال کی باتیں!
تم نہ آئیں، نہ میں ہوا مسعود،
تم نہ آئیں کبھی مری معبود!
کس کا تھا پھر زیاں؟ میرا — اور سود؟
وہ تو اک خواب تھا پریشاں سا!
وہ تھا بس ایک غزال حیراں سا!
رکتا رکتا سا اور خراماں سا!
تیرہ و تار جنگلوں کی فضا،
اور غم کی مہیب کالی گھٹا،
بس، یہی تھے مرے مقدر میں،
اور میں گم، خموش بستر میں!

- ۲۵ - ۶ - ۱۱

ملال

اُفتاد

اِتنی سی تسلّی کافی ہے جیون میں مجھے، کیسے سمجھوں؟
ہاں کیسے ذرا سی بات سے ہر لمحے اپنا دل بہلاؤں؟
یہ بات ذرا سی، تم نے مجھکو ہنس کر دیکھا، شرما کر
آنچل سے اپنے منہ کو چھپایا، پہلو بدلا اٹھلا کر۔
میرے تو ارادے تھے اونچے، میں تم کو اپنا بناؤں گا،
ہر ایک رکاوٹ دور کرونگا، راہ میں بیٹھ نہ جاؤں گا۔
لیکن قسمت کی باتیں ہیں ناامیدی اب ساتھی ہے،
اور لمحہ بہ لمحہ کالی گھٹا سی دل پر چھا جاتی ہے۔
وہ ہمت جو آغازِ سفر میں میرے دل کا ستارہ تھی،
اب آخر دم پر ہے، ڈوبا، کشتی ڈوبی، کشتی ڈوبی۔
اب اِس دنیا کے ساگر کی ہر موج نگل جائیگی مجھے،
اور گمنامی کی دیوی اپنی ساڑھی لپٹا لیگی مجھے۔

۱۵ - ۶ - ۳۵-

مدراس

دُور کرو پیراہن کے بندھن کو ...

* * *

دُور کرو پیراہن کے بندھن کو اپنے جسموں سے
دُوری حاصل کرلو بندی خانے کے اِن لمحوں سے
جن میں فطرت کو قیدی کر رکھا ہے تہذیبوں سے
جن میں کلیوں کو کھلنے سے روکا ہے انسانوں نے۔
فطرت کا مذہب کیا ہے؟ آزادی ہی آزادی ہے،
اور اگر اِس مذہب کو مانے گا نہ دل سے بربادی ہے۔
بربادی ہے دل کی آزاد آرزوؤں کے جمگھٹ کی،
بربادی ہے جذبوں کے میٹھے رس والے پنگھٹ کی۔
حُسن چُھپا کر کیوں رکھتے ہو؟ حُسن نگاہوں میں لاؤ،
خالِق فاخر ہے تخلیق کا، اُس کے پیرو بن جاؤ۔
دُور کرو پیراہن کے بندھن کو اپنے جسموں سے!
اِک وحشی رفتار کو حرکت میں لے آؤ جذبوں سے!
دُوری حاصل کرلو بندی خانے کے اِن لمحوں سے،
مرد ہو، عورت سے مل جاؤ، عورت ہو تو مردوں سے۔

* * *

۲۴ - ۱۰ - ۳۵ء

ماری

منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں رُوحیں

منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں رُوحیں ،
ابتدا دُور ہوئی عُذر بہانے ، شوخی !
دُور — سیّارے خراماں تھے فلک پر ، دونوں
ایک منزل پہ پہنچنے کی تڑپ دِل میں لئے ۔

پھر پُرانا وہی افسانہ ، وہی سیب کی ، انجیر کی بات !

لرزشِ قلب سے رفتار کی تیزی لپٹی ،
تیز طوفان سے ملنے چلی خُوں کی گردش ،
جیسے کاجل سی گھٹا ساون کی
وحشیانہ سی اُمنگیں لائے !
جِسم کے ساز کے سب تار کھنچے اور پھیلے ،
نغمہ بیدار ہُوا !...
نغمہ بیدار ہُوا !...
نغمہ بیدار ہُوا !...
پُتلیاں پھیل گئیں ، سانس تھی گہری گہری ،
آہ ! — رقصاں ہوئی نکہتِ گُل کی !
اک تڑپ ، ایک تھرکتی ہوئی نازک سی ہنسی —
ہلکی ہلکی سی صدا ، چیخ کی دھیمی لہریں
شب کی خلوت کی فضا میں ہوئیں سرگرمِ خرام !

اور پھر آ ہی گئی نیند کی خاموش پری ،
صبحِ نَم جیسے ہوا گال سے چُھو جائے کبھی ،
ایک شاداب سکوں رُوح پہ چھایا ، اُس دم
دل میں بھرپور تھی احساس کی شیریں نرمی !

- ۴۵-۱۱-۳

نارسا

مگر رازِ حقیقت مجھ پہ ظاہر ہی نہیں ہوتا،
مرا شکی تخیّل اپنی پروازوں میں اُلجھا ہے!
مرا معبود کیوں محکوم ہے میرے خیالوں کا؟
(جسے معبود سمجھا ہوں، فقط میرا تصوّر ہے!)
وہ [illegible] اک آزاد ہستی کیوں نظر آتا نہیں مجھکو؟

یہ جذبے دل میں رہ کر، کُند ہو کر پھر اُبھرتے ہیں،
یُونہی میں ہوں، یہ میری زندگی، اور جنس کی اُلجھن،
مجھے معبود سے مِلنا میسّر ہی نہیں ہوتا!

مرا معبود عورت ہے!
میں جنسی کھیل کو کیوں اک تن آسانی سمجھتا ہوں؟
عبادت کے طریقے حرکتیں ہیں/جوشش میں لاتی،
گھٹا میں جس طرح بجلی چمکتی ہو،
کہ جیسے بحرِ طوفاں خیز کا جلوہ!

مری معبود اک عورت ہے، میرے ذہن کا نغمہ،
مجھے ملنا میسّر ہی نہیں ہوتا،
میں جنسی کھیل کو صرف اِک تن آسانی سمجھتا ہوں!

۱۴ - ۱۱ - ۳۵ -

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں،
ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں!

تخیّل کا بڑا ساگر، تصور کے حسیں جھونکے
لئے آتے ہیں بارش میں تمنّائیں عبادت کی،
مگر پُوری نہیں ہوتی تمنّا دِل کی چاہت کی!

مہ رو
کسی ~~عورت~~ گلِ پیراہن، کسی خلوت کی خوشبوئیں،
کسی اِک لفظِ بے معنی کی میٹھی میٹھی سرگوشی،
یہی چیزیں مِرے نمگیں خیالوں پہ ہمیشہ چھائی رہتی ہیں۔

عبادت کا طریقہ — حرکتیں ہیں، تشنہ و مبہم،
کبھی روحِ صنم بیدار خوابِ مرگِ مہمل سے نہیں ہوتی!

کسی اِندر سبھا کی لاکھ پریاں آ کے بہلائیں،
لُبھاتے ناچ ناچیں اور رسیلے راگ بھی گائیں،
مگر یہ مردہ دل عادی ہے بس نمگیں خیالوں کا!
[illegible]
گھٹا آتی نہیں، ~~خوشیوں~~ کی بارش لا نہیں سکتی؛
میری روحِ حزیں محکوم ہے اپنے تاثر کی!

ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں؟
میں جنسی کھیل کو کیوں اِک تن آسانی سمجھتا ہوں؟

کبھی انساں کی عمرِ مختصر پر غور کرتا ہوں،
ہوتا
کبھی فانی تمنّاؤں کی جھیلوں میں یُونہی کھویا سا رہتا ہوں!

مارچ

گھنا، گرم جادو کسی رات کا

گھنا، گرم جادو کسی رات کا
مرے دل کی رگ رگ پہ طاری ہُوا!
(ترے جسم کے پیرہن کی فضا)
تو رادھا بنی، میں بہاری ہُوا!

ترے جسم سے پیرہن ہٹ گیا

مگر رات کا خواب جب سو گیا،
تو آئیں نظر میں کئی گوپیاں؛
ترے چاند کا نُور گم ہو گیا،
ستاروں کی نیّا تھی ہر سُو رواں!

گرفتار تھا حُسن کے جال میں،
تھرکتا تھا لذّت سے ہر ایک تار؛
حیا مست و بیخود تھی، مدہوش تھی،
تھے بیباک دونوں، شکاری شکار!

تصوّر ترا داستانِ کہن
بنا، عکس بھولی ہوئی بات کا!
بہا کر مرے دل کو، روپوش تھا
نیا، نرم جادو نئی رات کا!

⁂

۲۵ - ۶ - ۳۶

جاری

رسیلے جرائم کی خوشبو

اِرادی
رسیلے جرائم کی خوشبو
مرے ذہن میں آ رہی ہے!
رسیلے جرائم کی خوشبو
مجھے حدِّ احساس سے دُور لے جا رہی ہے!

جوانی کا خُوں ہے
بہاریں ہے موسم زمیں پر!
پسند آج مجھکو جنوں ہے!

نشّہ
نگاہوں میں ہے میری نشّوں کی اُلجھن
کہ چھایا ہے ترغیب کا [illegible] پیرہن آج ہر اک حسیں پر؟
رسیلے جرائم کی خوشبو مجھے آج للچا رہی ہے!

قوانینِ اخلاق کے سارے بندھن شکستہ نظر آ رہے ہیں؛
حسین اور ممنوع جُرم مرے دل کو پھسلا رہے ہیں؛
یہ ملبوس ریشم کے اور اِن کی لرزش،
یہ غازہ، یہ انجن؛
دلکشی
نِسائی فسوں کی ہر اک موہنی آج کرتی ہے سازش!
مرے دل کو بہکا رہی ہے!

مرے ذہن میں آ رہی ہے
رسیلے جرائم کی خوشبو!

۱۰-۱-۳۶-

رقصِ غزالین

شبانہ محفلِ سرود و رقص میں ــــــــ
گلوئے نرم و سیمگوں کی گفت و گو،
وہ چشمِ نیم وا کی مست لرزشیں،
وہ سرخ سازوں کے گرم زمزمے،
وہ قصرِ عافیت میں تند ہم نفس کا داخلہ،
شکستِ برگِ گل کی سرد داستاں،
وہ دردِ بہجتِ حسیں!
وہ دودِ نکہتِ رواں میں دھندلی صورتوں کی شرمگیں خموشیاں!
وہ منظرِ فتادہ و کشادہ میں حبابِ بحر کا سماں!
جنوں کی چپ، ملول سی روانگی،
جواں / راحتوں کا ابر چھا گیا!
رخِ حسیں پہ سلوٹیں لباسِ اشتیاق کی،
وہ کیفِ مختصر کی آخرِ نہاں!

۱۱ دسمبر ۶۱ء)

دنکورں

وہ رَدِّ عہد بہ عمل!
اُڑان طائرانِ ہم نشیں کی اب علاحدہ علاحدہ!
وہ دُودِ نکہتِ رواں ہُوا نہاں!
رخِ حسیں پہ چھا گئی تُند و تیز، سرد تلخیاں!
گلوئے نرم کی، وہ قیدِ عافیت سے تیرہ تر، خوشیاں!
وہ چشمِ نیم وا کی شوخ مستیاں رہی کہاں؟
شکستِ خواب کا سماں،
شبانہ محفلِ سرود و رقص میں! ——

* * *

۳۶ - ۴ - ۱۴

مدارس

مسافروں کی تلاش

"اور اُسے مسافروں کی تلاش رہتی ہے جو اس کی خواہشاتِ نفسانی اور
ضروریاتِ جسمانی کو پورا کر سکیں" ـــــ ہمزاد"

"بستی بستی پھر کر آئے، آؤ، بیٹھو، سستا لو،
چھاؤں گھنیری اور میں چیری، دم بھر دل کو بہلا لو۔
دُور دُور کی باتیں دیکھیں، چاندنی راتیں ـــــ اُجیالی،
اور گھٹاؤں والی راتیں، کالی ـــ کاجل سی کالی -
اُن راتوں کا حال سنا لو، دُکھ سُکھ سارے کہہ ڈالو،
آؤ دم بھر بیٹھو، آؤ، سستا لو، دِل بہلا لو!" (۱)

"بستی بستی پھرنے والا میں سیلانی، آوارہ،
یہ جگ ہے اک نیلا منڈل، میں اس میں اک سیّارہ؛
منزل کوئی نہیں ہے میری، تو منزل ہے ـــ ہر کوئی،
میرے دل کے لاکھوں ٹکڑے ہوتے ہیں، میں ہرجائی!
تیرا میرا کام یہی ہے، دُکھ سکھ سارے کہہ ڈالیں،
اپنا اپنا جی بہلا لیں، اک منزل پر سستا لیں" (۲)

(دوسری طرف)

مالن

"تم ہو بھنورے پھرنے والے، مَیں پُھلواری قائم ہوں،
دو لمحے جیون ہے تمہارا، لیکن میں تو دائم ہوں!
(۳) کیسے بہانے؟ آؤ، چھوڑو، بھولو سب سچّا جھوٹا؛
دیکھو! اُلفت کا سو صدیوں سے سویا سوتا بھی پھوٹا!
دُور ہی دُور کھڑے رہنے سے کام نہیں چلتے جگ میں،
تنہا جذبوں میں بہنے سے کام نہیں چلتے جگ میں!"

"جنم جنم کی بیت کی باتیں کچے تاگے، ٹوٹ گئے،
دو دن ہیں اُجیالی راتیں، سکھ جاگے، دُکھ چھوٹ گئے!
(۴) مجھ سے پہلے آئے ہونگے سو بھنورے، رس لوٹ گئے،
اب کیا وہ رُوپ خزانہ، بھنور آئے، بس لوٹ گئے!
پیمانے کی تلچھٹ ہی میری قسمت میں آئی،
مجھ کو بھی کیا پروا اسکی، میں سیلانی، ہرجائی!"

سنجاری

دو رُوحیں کھیتوں میں تھیں، لیکن تھا اُن کا اک سایا،
مایا ہے، سب کچھ مایا ہے، جگ میں ہر شَے ہے مایا!

* * *

۷ - ۲ - ۳۶ -

سنگِ آستاں

~~سکھا~~ سُنا نغمہ محبت کا، مجھے محسوس کرنے دے
جوانی کو۔
ہے نغمہ جس میں خوابیدہ اُنہیں تاروں کی حرکت سے
میں لے آؤں گا ہستی کو مجسّم شکل کی صورت،
اُنہیں تاروں کو خوابوں سے جگانے دے مجھے، اے رات کے ساقی!
دِکھانے دے مجھے جلوہ ستاروں کے اُلجھنے کا،
اُسی منظر کو لے آؤں گا میں پھر سے نگاہوں میں
جو ہے باقی
جو آویزاں ہے اب تک وقت کی ~~چلمن کے اوجھل میں۔~~
دیوی کے آنچل میں۔

پکڑ کر ہاتھ میں پنچھی کو اس دھرتی کے جنگل میں
اسی خلوت کے محل میں
ترے دِل میں
جگا دوں گا میں اپنی گرم آہوں سے
اُسی نغمے کو جو سویا ہے تیرے جسم کے محبوب تاروں میں

مجھے معلوم ہیں باتیں،
وہ باتیں جو اچھوتی ہیں، پُرانی ہیں،
مگر نادان ہیں جذبے
ارادہ ہے کہ لیکر آنے ان جذبوں کو میں تاریک غاروں میں
بنوں گا ہم سفر تیرا۔

چل آ، رنگین کہانی کو
شروعِ عشق کی منزل سے لے بھاگیں
اُسے اِس رات کے پھیلے اندھیرے میں
وہاں پر مل کے پہنچا دیں تک
جہاں ہے گوہرِ مقصود پوشیدہ نگاہوں سے
سہانی گرم آہوں میں!

⁂

۱۵ - ۱ - ۷۰ء -

شکوہ

شبِ تیرہ میں اک خفتہ جوانی کو کچل ڈالا،
شکاری! آہ، اے ظالم شکاری! تیری نادانی!

اچانک تیر مارا جذبۂ زہری سے آلودہ،
شگفتہ ہو کے، نکہت پھول کی بکھری فضا میں، — ایک بے چینی!
پریشاں ہو گی اب دنیا میں یہ سفّاک رسوائی،
ہر اک بوسیدہ پتّی، کھو کے حسنِ نرم و نازک کو،
بنی ہے ہم سفر اک رنگِ نو کے تند جلوے کی!

مگر تو نے، شکاری! آہ، اے ظالم شکاری! یہ بتا مجھ کو،
شبِ تیرہ میں کیوں خفتہ جوانی کو کچل ڈالا؟
کہ اب باقی نہیں پہلی سی وہ بے باک رعنائی،
بجائے سادگی اب اک تکلّف ہے،
جھجک ہے، عشوۂ ہشیار ہے؛ — احساس ہے جس کا
گلِ بوسیدہ کی زخمی جوانی کو!

بدل ڈالا ہے تو نے رنگ فطرت کی اداؤں کا،
مچل کر جاگ اٹھی ہے، درسِ وحشت دے گی دنیا کو،
بنی ہے ہم عناں اک رنگِ نو کے تند جلوے کی!

گلِ بوسیدہ کی زخمی جوانی ہر شکاری کو،
مچل کر درسِ وحشت دے گی، نادانی سکھائے گی!
شکاری! آہ، اے ظالم شکاری! تیری نادانی! —
شبِ تیرہ میں کیوں خفتہ جوانی کو کچل ڈالا؟

* * *

۳۵ اور ۳۶ کے درمیان

بلندیاں

دیکھ انسانوں کی قوت کا ظہور
اک سکونِ آہنیں ہمدم ہے میرا، اور میں
روزنِ دیوار سے
دیکھتا ہوں کوچہ و بازار میں،
آ رہے ہیں، جا رہے ہیں لوگ ہر سو گرم رو؛
اور آہن کی سواری کے نمائندے بھی ہیں
تیز آنکھوں، نرم قدموں کو لئے،
محوِ گہرے نشۂ رفتار میں!

اور یہ اونچا مکان
جس پہ استادہ ہوں میں
جذبۂ تعمیر کا اظہار ہے؛
سرخ رو، دل میں اولوالعزمی لئے؛
رات کی تاریکیاں ہر شے پہ ہیں چھائی ہوئی،
لیکن اِن تاریکیوں میں ہیں درخشاں چشمہائے دیوِ تہذیبِ جدید،

اِک سکونِ آہنیں ہمدم ہے میرا، اور میں
سوچتا ہوں عرصۂ انجم کے باشندے تمام
دل میں کہتے ہوں گے ـــــ "ہیچ!" ○.

۸

ناکارہ

بالا خانہ

سو رہی ہے بیسوا،
سلوٹیں بستر پہ ہیں؛
پیرہن میں بے شمار
سلوٹیں سمٹی ہوئی، سوئی ہوئی،
بوئے بوسیدہ کا مبہم امتزاج
جس کا دھندلا سا تصور بھی ہے اتنا ناگوار
سر جھٹک کر اس سے ملتا ہے گریز۔

اِک طرف بکھرے ہوئے ہیں فرش پر
چند ساز۔
اور کمرے کی فضا
جس میں آسودہ ہیں، پنہاں ہیں صدائیں مختلف،
اِک سکوتِ آہنیں کا سنگدل اظہار ہے۔

دُور نیلا آسماں
چاند اور تارے لئے
اور ٹکڑے ابر کے،
اک دریچے سے نظر آتا ہے غمگیں، پُر فغاں۔

رونق آرا نیند میں بے ہوش ہے
اُس کے نفسِ لاشعوری میں اُلجھتے ہیں خیال:

" آئیے گا بندہ پرور! — سیٹھ جی!
" آپ کل آئے ہیں؟
" چند زیور اور لباس،
" اب مجھے آرام کرنا چاہئے۔
" آئیے گا بندہ پرور! — سیٹھ جی!
" اور نگاہیں، اور حنا،
" اور ہستی کی پریشانی کے رنگ
" آئیے گا بندہ پرور! — سیٹھ جی!
" ظاہری باتیں تمام۔
" اب جوانی کی بہار، اب — لیجئے، گانے کو ہوں، مٹنے کو ہے،
" چند زیور، اور لباس، اور... کیا کہا؟ — اک وقت تھا، ہاں وقت تھا
" آہ! — لیکن اب مجھے آرام کرنا چاہئے،
" زندگی اور بے بسی،
" آئیے گا بندہ پرور! — سیٹھ جی!"

دور نیلا آسماں
چاند اور تارے لئے،
اس کا دھندلا سا تصور بھی ہے مجھ کو ناگوار۔

۵ - ۲ - ۳۶ -

تحلیل کے بعد

نغمۂ نفس کے تسلسل نے
ٹوٹ کر، ذہن کو کیا بیدار؛
اندرونی ملامتیں جاگیں،
جاگ اُٹھا محشرِ ضمیر میرا۔
لذّت و کیفِ خوابِ رفتہ کے
بن گئے ہمصفیرِ راہِ عدم۔

آہ! جذبات کی ضعیفی نے
رنگ برہم کیا شرابوں کا۔
اُڑ گیا، اُڑ گیا وہ رنگِ لطیف؛
ہمدمِ لطفِ آتشیں میری
ناگوارِ نظر ہوئی مجھکو۔

خواب آلود، خشک آنکھوں میں
منظر اک آہنیں خیال بنا:

"ہاں، یہی ہے، یہی کہ وہ جس نے مجھے
دامِ ترغیب کا اسیر کیا۔"

یوں ہوئی جب مری خودی مجروح
ایک ردِّ عمل نے جذبے کے
بے مزہ کر دیا محبت کو؛
اور پھر مضمحل گھٹا چھائی
انکشافِ خودی ہوا روپوش۔
اس طرح خلوتِ شبانہ کا
اختتام

ایک بوسۂ مبہم
بن کے رہ جائیگا، نہ تھا معلوم۔

- ۳۶ - ۱۱ - ۱۹ -

⁂

۵

اجنبی، انجان عورت رات کی

میں دھندلی نیند میں لیٹا تھا، سو پردوں سے وہ جاگ اٹھی،
ہلکے ہلکے بہتی آئی اور چھائی میٹھی خوشبو سی!
باریک دوپٹہ سر پہ لئے اور آنچل کو قابو میں کئے،
چنچل نینوں کو اوٹ دئے شرمیلا گھونگٹ تھامے تھی!
نردوش بدن اک چندر کرن، اٹھتا جوبن بس من موہن
میں کون ہوں، کیا ہوں، کیا جانے، بس بس میں کیا اور بھول گئی!
جب آنکھ کھلی اور ہوش آیا، تب سوچ لگی، الجھن سی ہوئی
پھر گونج سی کانوں میں آئی، وہ سندر تھی سپنوں کی پری!

جاری

حادثہ

اک فرشتہ پھول برساتا ہوا ،
صحنِ گلشن میں ہوئی اُس کی نمود !
لاابالی لمحۂ جوشِ شباب !
اِس حقیقت کو کبھی تُو جان سکتی ہی نہ تھی ،
اُس فرشتے کے حسیں ملبوس میں شیطان تھا۔

ایک لمحے کے لئے ، بس ایک لمحے کے لئے ،
تیرے دل پر چھا گئی اک وحشیانہ بے خودی !

اور پھر دل سے مرے رخصت ہوا جوشِ جنوں ،
خشک پتوں پر تھا اُفتادہ ترا
نرم و نازک ، سرد جسمِ سیمگوں !

⁂

. — . — ۳۷

مکرر

محبت کا گیت

اُبلتی آگ کے شعلے خراماں ہیں،
فضائے لامکانی میں!
مگر انسان اُن کو دیکھ سکتے ہیں
اسی دنیائے فانی میں!

ترے دل میں کئی مبہم ارادے ہیں،
اور ان پر احتیاط و رسم کے سنگیں لبادے ہیں!
مگر میں اپنے جذبِ دل کی قوت سے،
اک احساسِ حسیں کی نرم راحت سے،
انہیں معدوم کر دوں گا!
میں اُن کو آرزوؤں کے گلستاں میں
بہارِ نَو سے بھر دوں گا!
جنونِ عشق ساماں میں
تجھے لے جاؤں گا اس کائناتی دَور سے باہر،
وہیں پائے گا تسکینِ ابد میرا دلِ مضطر!

یہ حد بندی پسند آتی نہیں مجھکو
گرفتاری ذرا بھاتی نہیں مجھکو
میں تجکو وسعتِ بیباک کا نغمہ سناؤں گا،
تجھے اک سرمدی منظر دکھاؤں گا،
جو بے حد مختلف ہے دہرِ فانی سے
جو بے حد پُرسکوں ہے وقت کی اَن مِٹ روانی سے،
کہیں دلکش ہے ہستی کی کہانی سے،

ماہ رسا

کہیں شیریں ہے خونِ نوجوانی سے،

میں اُن انمول لمحوں کو
ترے قدموں کی محرابِ حسیں پر لا کے رکھ دوں گا!
میں اُن مدہوش نغموں کو
مسلسل خواب سے بیدار کر دوں گا!

⁂

۵ - ۲ - ۳۷ -

اعتذار

پھر سے اُمّید کی بجلی چمکی ؛
سر پہ گھنگھور گھٹا چھائی تھی
لیکن اُمّید کی بجلی چمکی !

ڈگمگانے کو قدم تھے میرے
بند ہونے کو تھا ترغیب کا جال ،
لیکن اُمّید کی بجلی چمکی !

نفس کی لذّتِ آسودہ بھڑک اُٹھی تھی ،
ایک پل میں مجھے لہروں میں بہالے جاتی ،
وہ ہوا ، آہ ! جو تھی عیش کی خوشبوؤں سے بوجھل یکسر !
لیکن اُمّید کی بجلی چمکی !
دل میں جاگ اُٹھا خیال :
" اور اگر اب بھی وہ مِل جائے تجھے ؟ "
میرا افسردہ لہو کھول اُٹھا ،
دل پہ طاری تھا جو دھندلا منظر ،
گونج اِک رہ گئی اُس کی باقی !
نفس کی لذّتِ خوں گشتہ کا نغمہ سویا !
اور اُمید کی بجلی چمکی !

⁂

۴ - ۳ - ۳۹

ترقی پسند ادب

اس کو ہاتھ لگایا ہو گا ہاتھ لگانے والے نے
پھول ہے رادھا، بھنورا، بھنورا، بھنورے نے، ہاں کالے نے
جمنا تٹ پر ناؤ چلائی ناؤ چلانے والے نے
دھوکا کھایا، دھوکا کھایا، دھوکا کھانے والے نے
سکھیاں رہ کب تھیں لاج بچاتیں، کچھ نہ سُنی متوالے نے
کام نہ آیا، بات نہ رکھی اپنے دل کے اُجالے نے

دل کا اُجالا ہنسی والا میٹھی جس کی بانی ہے
ہنسی دُھن کی بات نہ کہنا یہ تو پُرانی کہانی ہے
اب تو ساری دنیا بدلی ہر صورت انجانی ہے
دل میں سب کے چھایا اندھیرا ظاہر ہی نورانی ہے
یہ بھی رُت ہے مِٹ جائیگی ہر رُت آنی جانی ہے
اتنی بات کہ دل بے چین رہے جگ میں لافانی ہے

دل بے چین ہوا رادھا کا کون اسے بہلائیگا
جمنا تٹ کی بات تھی ہونی اب تو دیکھا جائیگا
پھیکی ہے گی رنگ وہ رادھے جو بھی سر پر آئیگا
اودھو شام پہیلی رہتی دنیا کو سمجھائے گا
برہم کتھا کا جادو سُننے والوں کے دل پر چھائیگا
یہ تو بتاؤ کون سُورما اب کے ہاتھ لگائیگا

طائرِ شب

وقت بتاؤں؟ — رات کا پنچھی کھول رہا تھا اپنے پروں کو، ہونے کو تھا دور اندھیرا،
اور منظر بھی؟ — سچ یہ پورنمی اور پریتم کی چھایا سب سے اچھی رات کا من موہن انمول سویرا۔

نیند عبادت سے اچھی ہے، تم اچھی ان دونوں سے؛
آؤ سوئیں، جگ کو بھولیں، ساغر کی تلچھٹ چکھیں،
پریت کی مستی میں کھو جائیں، اور خیالوں میں ڈوبیں۔
چند سہانے لمحے میری عمر میں اور بڑھا دو تم،
آنے والی صبح کا منظر میرے دل سے بھلا دو تم۔
تم چادر کی سفیدی پر ہو ایک نشان ملاحت کا۔
اس بستر کی ہر اک سلوٹ میرے دل میں لاتی ہے
عنبر سا جوش بہجت کا۔
میرے دل کو دور کہیں لے جاتی ہے۔
ہر شاعر کہتا آیا ہے مایا نے ہمیں بہکایا ہے
چاہت ہے [illegible] کا ملنا دو جسموں کا۔
چاہت ہے کھلنا کلیوں کا۔
دو گیتوں کا گھل مل جانا،
آکاش کا سندیسہ آنا۔
آج مگر اس رات کے پیارے لمحوں میں اس بھید کو میں نے پایا ہے،
ہر شاعر نے لفظوں کا جال بچھایا ہے،
چاہت ہے تشنہ لبی، ہاں ہاں، چاہت ہے بُلاوا جسموں کا۔
مسجد مندر والے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں،
اپنے جیون کی ناؤ کو طوفانوں میں کھیتے ہیں،

([illegible])

مالوی

مجکو نہیں پروا کوئی مذہب کے اصول سنگیں کی،
مجکو ضرورت ہے بس اپنے کیفِ لطیف و شیریں کی۔

نیند عبادت سے اچھی ہے، آؤ سوئیں، تم اچھی ان دونوں سے۔

* * *

۵

نہر پر

یہ پانی بہتا جاتا ہے،
اک نغمہ کہتا جاتا ہے،
پانی کی نغمہ خوانی میں
خاموشی ہے! خاموشی ہے!
خاموشی میں سرگوشی ہے!
اور ہلکی ہلکی روانی میں
اِک عریاں جذبہ پنہاں ہے!

اور سامنے صاف کنارے پر
پیڑوں کی لچکتی شاخوں سے
بوسے دیتی، آزادانہ،
چھوتی ہے ہوا بےباکانہ!
ان نرم، لچکتی شاخوں میں
بےباک ہوا کے بوسوں میں
اِک عریاں جذبہ پنہاں ہے!

بہتے پانی کی روانی سے
کچھ نرم حباب ابلتے ہیں
اور اک پل میں کھو جاتے ہیں!
بیباک ہوا کے چھونے سے
شاخوں کے پتے مچلتے ہیں،
اور پھر ساکن ہو جاتے ہیں!

ہاں، یہ سب سادہ سے منظر،
یہ میری نگاہوں میں آکر
یہ کیسی یاد دِلاتے ہیں؟
کس رنگ کے راگ سناتے ہیں؟

میں یوں تنہا بیٹھے بیٹھے
افکار کو تیز بناتا ہوں
کچھ سوچ میں ہی ڈوبے ڈوبے
قدرت سے پوچھتا جاتا ہوں
اور دل میں سوچتا جاتا ہوں دھن کس کیوں سمائی ہے؟

ملک راج

جنسی عکس خیالوں کا

جنسی عکس خیالوں کا چاند رات میں ڈالوں گا
اُن آنکھوں کی جِھیلوں میں!

جنسی خلوت جسموں کی مرد عورت کی قسموں کی
دیکھوں گا، دِکھلاؤں گا!

جذبہ دِل میں پوشیدہ رکھوں کب تک؟ بوسیدہ
ہو جائیگا یُوں جذبہ!

توڑوں بندھن رسموں کا چھوڑوں جیون رسموں کا
جیون ہو آزادی کا!

اعضا پر نظروں کے تیر چھیڑیں نغموں کی زنجیر
پیدا ہو میٹھی جھنکار!

ہاں، یُوں موتی ساگر میں گہرے، دُھندلے مندر میں
نیندوں میں کھو جائیگا!

آزادی قدرت کا کام، آزادی چاہت کا نام
آزادی سے لپٹوں گا!

المحمد لائبریری
فیس بک گروپ۔ کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن

تشبیہیں

جتنے لمبے تیرے بال
اُتنے لمبے میرے بال
پھر کیوں ہے یہ آپس کی
ہر دم بڑھتی ناچاقی؟

جیسے تیرے سینے پے
ریشم کے دو گچھے ہیں، ریشوں
ویسے گچھے میرے بھی
دو ہیں، دو ہیں، ہاں دو ہیں!

جیسی نرم گلابی سی
ہے تیری مرغابی سی،
ویسا میرا طوطا ہے
جو آدم کا پوتا ہے!

* * *

الحمد لائبریری
سید حسین احسن
imagitor

ایک عورت اور ایک تجربہ

تیکھے نقش، غزالیں آنکھیں، گہرے، للچاتے سے گال۔
ہونٹ کہ پتلی پتلی پھانکیں رس والے میٹھے پھل کی۔
اُن پھانکوں کا ہر اک ذرّہ میٹھا جیسے ہو شہتوت۔
نرم، کبوتر جیسا سینہ، صاف، کنول سی کومل کھال۔
بھاؤ انوکھے سب دنیا سے بات نرالی چنچل کی۔
جسم گداز اور صحت والا، نرم، ملائم اور مضبوط۔
چال، لچکتی بید کی ٹہنی، بہتی بہاتی موجوں سی،
نازکی، ہر ریشے کی حرکت شاہی فوجوں سی۔
باتیں کرتے، ہنستے ہنساتے، شستہ، نشیلا سا انداز،
جادو کرتے، سب کو لبھاتے، عورت کے انجانے راز۔

آہ! اُبھارے اور اُکسائے دل کے سوئے جذبوں کو،
سرد خیالوں کو گرمائے اور بھڑکائے شعلوں کو۔
جیسے فضا میں ہوائیں رقصاں ویسی ذہن کی حالت ہو،
لیکن جب لوٹ آئے سکوں پھر دل کو گہری ندامت ہو۔
"کیا، کیسے، کیوں؟" سب بہ جائیں شدّت اور روانی میں۔
اک لمحے کی کمزوری سے غم کیسے نادانی میں۔

الحمد لائبریری
اُردو بک گروپ کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن

الحمد لائبریری
فیس بک
گروپ۔
کتابیں
پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor

Imagitor